

521-111

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کتابتِ حضرت امام رضا علیہ السلام

بیت

ماخذ

ایمانیات

نفاذِ اسلام کے لیے مکمل ضابطہ شریعت

پروفیسر عبدالباری صدیقی

بیت

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مکتوبات امام ربانی

بِحیثیت

ماخذ

ایمانیات

نفاذ اسلام کیلئے مکمل ضابطہ شریعت

پروفیسر عبدالباری صدیقی

مکتوباتِ امامِ ربّانی بحیثیتِ ماخذِ ایمانیات

پروفیسر عبدالباری صدیقی	8	مصنف
احمد برادر س پرنٹرز ناظم آباد کراچی ۱۹	8	طابع
عبدالاحد و معاون	8	کتابت
۱۳۰۵ھ مطابق ۱۹۸۵ء	8	سال طباعت
بار اول	8	اشاعت
پانچ ہزار	8	تعداد
53505	8	صفحات
۱۷۸	8	قیمت
(جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں)		

ملنے کا پتہ

سرہند پبلی کیشنز

شہید مہلت روڈ کراچی۔ ۰۸۰۶

فہرس موضوعات

صفحہ	موضوع	صفحہ	موضوع
۵۴	ایمانیات کا موضوع	۶	انتساب
۵۵	ایمانیات اور علم کلام	۷	اظہار تشکر
۵۶	تبلیغی جہاد	۸	تعارف
۵۸	تبلیغ دین کے اغراض و مقاصد	۱۱	حرف اول
۵۹	شرائط تبلیغ	۱۲	افتتاحیہ
۵۹	۱۔ ابلاغ حق ہی سے غرض رکھنا چاہیے	۱۷	تقدیم
۶۰	۲۔ دیوانوں کی ابلاغ حق میں لگ جانا	۲۲	پیش لفظ
۶۱	۳۔ علمائے حق کی خدمات	۲۵	مقصود مومن
۶۲	۴۔ دنیوی تعیشات سے اجتناب	۲۳	پس منظر
۶۲	۵۔ اسلامی اخلاقیات کی پابندی	۲۷	تبلیغی نظام
۶۳	تبلیغ دین کی راہ میں ہجرت	۴۹	مکتوباتِ امام ربّانی
۶۴	فلسفہ ہجرت :-	۴۹	تعارف
۶۶	نفسِ امارہ کی غلامی سے نکلنے کو ہجرت کہتے ہیں	۵۲	مکتوباتِ امام ربّانی کی اہمیت
۶۷	شریعتِ اسلامیہ کی پابندی	۵۲	مکتوباتِ ماخذِ ایمانیات کی حیثیت سے
۶۸	شریعت	۵۳	ایمانیات :-
۶۹	مقصود شریعت	۵۴	علمِ ایمانیات کی اہمیت
۷۰	سنت و بدعت		

صفحہ	موضوع	صفحہ	موضوع
۱۰۳	مقام سیدنا عمر فاروق ^{رضی}	۷۲	ضابطہ شریعت
۱۰۵	افصلیت ختمین ^{رضی}	۷۲	۱- عقائد صحیحہ پر ایمان
	ضابطہ شریعت کا پہلا رکن	۷۵	۲- احکام فقہ سے واقفیت
۱۰۶	عقائد صحیحہ	۷۵	۳- احکام شرعیہ پر عمل
۱۰۸	عقائد کی اہمیت	۷۵	۴- تزکیہ نفس
۱۰۹	عقیدہ التوحید	۷۶	نظام شریعت میں ارباب اقتدار کا کردار
۱۱۰	مسبب الاسباب		
۱۱۱	ایمان کی حقیقت	۸۰	فرقہ ناجیہ - اہل سنت و جماعت
۱۱۲	دوقومی نظریہ	۸۲	مقام مصطفیٰ ^ﷺ
	ضابطہ شرعیہ کا دوسرا رکن	۸۹	وسیلہ خاتم النبیین ^ﷺ
۱۱۷	عقائد و احکام شرعیہ کا علم	۹۲	مقام صحابہ ^{رضی}
۱۱۸	حضرت امام ابوحنیفہ ^{رحمہ}		اصحاب کرام کا ایمان
۱۲۱	ضابطہ شریعت کا تیسرا رکن	۹۲	شہودی ہے
۱۲۱	احکام شرعیہ پر عمل	۹۵	اصحاب کرام سب کے سب جنتی ہیں
۱۲۳	ترکِ حکمی	۹۶	فضیلت اہل بیت ^{رضی}
۱۲۵	ادامر و نواہی اور تقویٰ	۹۷	افصلیت خلفائے راشدین ^{رضی}
۱۲۶	مباحاتِ ضروریہ و مباحاتِ فضولیہ	۹۸	افصلیت شیخین ^{رضی}
		۹۹	مقام سیدنا ابوبکر ^{رضی}

صفحہ	موضوع	صفحہ	موضوع
۱۲۵	فلسفہ خودی	۱۲۸	حقوق اللہ اور حقوق العباد
۱۲۵	خود پرستی و خود شناسی	۱۳۰	ارکانِ اسلام
۱۲۶	خود گزاشتی یا خود باختگی	۱۳۱	عباداتِ خداوندی
۱۲۶	خود شناسی، معرفتِ باطنی	۱۳۱	کلمہ طیبہ
۱۲۷	سیرِ انسانی	-	ضابطہ شریعت کا چوتھا رکن
۱۲۷	سیرِ انفسی		
۱۲۹	سیر و سلوک	۱۳۳	تزکیہٴ نفس اور اخلاص
۱۲۹	مقصودِ سلوک		
۱۵۱	سلوک خادم شریعت کی حیثیت سے	۱۳۳	تزکیہٴ نفسِ قلب
۱۵۱	شرائطِ سلوک	۱۳۴	نفسِ امارہ - امراضِ قلبی
۱۵۶	وسائلِ سلوک	۱۳۵	ازالہٴ امراضِ قلب کی ضرورت
۱۵۶	شیخِ کامل کی ضرورت و اہمیت	۱۳۷	طبعی و فطری خواہشات
۱۶۲	طالب و سالک کے آداب	۱۳۷	مخالفتِ نفسِ ضروری ہے
۱۶۲	طالب کا جذبہٴ صادق	۱۳۸	سلامتیِ قلب (سیاستِ قلب)
۱۶۳	سالک کے آداب	۱۳۹	محبتِ ذاتی
۱۶۳	فنائیِ شیخ	۱۴۰	فنائے مطلق
۱۶۳	اتباعِ شریعت	۱۴۰	اخلاص
۱۶۴	اہل اللہ کی رفاقت	۱۴۲	اولیائے مقربین
۱۶۵	ضابطہٴ آداب و اخلاق	۱۴۳	ابرار کا مرتبہ
۱۶۷	طریقہٴ عالیہ نقشبندیہ	۱۴۳	تزکیہٴ نفس اور اخلاص کے ذرائع
۱۶۹	طریقہٴ نقشبندیہ کی خصوصیات	"	ذکرِ خداوندی
۱۷۱	اختتامیہ	۱۴۴	احتسابِ نفس
۱۷۵	ماخذ و مراجع		

انتساب

ان غیور سرفروشنوں کے نام

جو نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفاذ و قیام کے لئے ۱۹۷۷ء کی تحریک میں سرگرم عمل رہے اور ”خوف و دہشت“ ”حزن و الم“ اور سب و نسیم سے بے نیاز ہو کر جان و مال کا نذرانہ بارگاہ رسالت میں پیش کرتے ہوئے سعادتِ کبریٰ سے سرفراز ہوئے۔

بنا کر دیز خوش رہے بنجاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کن دایس عاشقانِ پاک طینت را

ان عاشقانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام

جنہوں نے عشقِ مصطفیٰ کو حرزِ ایمان بنا کر سنگ و عصا سے نہیں، تیغ و تفنگ سے نہیں، شمشیر و سناں سے نہیں۔ بلکہ۔ ”جذبہ جنوں“ کی کار سازی، ”مستی کردار“ کے سر و سرمدی اور ”فقرِ غیور“ کی شانِ بے نیازی سے۔ دہریت و اشتر اکیت کے تانے بانے کو تارتار و منتشر کر کے، جبر و استحصال کی استبدادی قوتوں کو زیر و زبر اور مکر و فریب، عیاری و ریاکاری کے کھسوں کو بے اثر کر کے ثابت کر دیا کہ

در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰ است
آبروئے ماز نامِ مصطفیٰ است

خاکِ پایِ علامانِ غلامِ مصطفیٰ

عبدالباری صدیقی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اظہارِ شکر

لہذا عجز و نیاز میں قادر مختار کی بارگاہ ابدیہ میں ہدیہ امتنان! جس نے اپنے محبوب ترین رسول مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل میں اس کتاب کی تصنیف و تدوین کی سعادت عطا فرمائی! جو "جوامع الکلم" کی تمام ترجموں کے ساتھ "مقام محمود" پر فائز اپنے اسوہ حسنہ سے ملتے جلتے کو فیضاب ہونے کی دعوت دے رہے ہیں۔

ان بزرگوں کا بھی سیاسی گزارہ ہوں جن کی دعوت پر "یوم امام ربانی" کی اس روح پرور تقریب میں شرکت کی توفیق نصیب ہوئی جو ۲۹ صفر المنظر ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۶ دسمبر ۱۹۸۲ء کو کھینچو سو سیکل ہال، کراچی میں انتہائی عقیدت و احترام سے منائی گئی۔ موجودہ کتاب کی اساس وہ مختصر سا مقالہ ہے جسے اس تقریب کیلئے میں نے تحریر کیا تھا۔ خاص طور سے میاں جمیل احمد صاحب شریقی پوری سجادہ نشین آستانہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ شریقیہ شہر پورہ کا از حد احسان مند ہوں جن کے فیوض و برکات سے جلا و لوانائی حاصل کر کے میں اس کتاب کو مکمل کرنے میں کامیاب ہوا۔

عالی مقام ڈاکٹر پروفیسر غلام مصطفیٰ خاں صاحب، ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب، حکیم محمد سعید صاحب و صہلوی اور حبشٹس (ریٹائرڈ) سید نعوت علی شاہ صاحب کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں! کہ۔۔۔ ان کی تبحر علمی سے ہی روشنی لے کر اس کتاب کو قارئین کی خدمت میں نذر کرنے کی برکت حاصل کر رہا ہوں۔ وہ صاحب فن چاہے توفیق کی برکت سے طیکے بدن مہر سے شبنم کی طرح ضو محترم جی کے تاج قائم خانی صاحب، قاری ظفر احمد صاحب کا بھی شکر گزار ہوں کہ اس کتاب کی تدوین و اشاعت میں انہوں نے ہر مرحلے پر میری حوصلہ افزائی فرمائی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ نچتہ عقائد صحیحہ سے ہمارے دلوں کو منور رکھے!! دیں ہو، فلسفہ ہو، فقر و سُلطانی ہو، ہوتے ہیں نچتہ عقائد کی بنا پر تعمیر احقر العباد۔ عبد الباری صدیقی عفی عنہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تعارف

جی۔ کے نتاج ایڈوکیٹ

محترم پروفیسر عبدالباری صاحب دینی، ادبی اور علمی حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں۔ انھیں اساتذہ کرام میں منفرد مقام حاصل ہے۔ ۱۹۵۱ء میں میرپور خاص تشریف لائے اور درس و تدریس سے منسلک ہونے کے ساتھ ہی ساتھ یہاں کی علمی و ادبی محفلوں کو بھی ہمیشہ رونق بخشتے رہے۔ اگرچہ عرصہ چار سال سے کراچی ریجن کے شعبہ تعلیم سے منسلک ہیں، اس کے باوجود اب بھی میرپور خاص کی دینی و علمی شخصیتوں سے ان کا بدستور گہرا رشتہ قائم ہے۔

تاریخ کے پروفیسر کی حیثیت سے وہ ایک معروف و مشہور مستند شخصیت مانے جاتے ہیں، ان کے تبصرے متوازن ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کی آرا کو وقیع سمجھا جاتا ہے۔ تجزیاتی و تقابلی طریقہ تدریس میں ان کا اپنا الٹوکھا انداز ہے جسے اُکھوں نے دینی و عمرانی علوم کے مختلف فکر انگیز موضوعات پر اپنے مقالوں میں بھی اپنایا ہے۔ علم و ادب کے فروغ کو اُکھوں نے اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا ہے۔ طلبہ کی بہتری کے لئے وہ ہمہ دم مصروفِ عمل رہتے اور ان کی رہنمائی کر کے دلی خوشی محسوس کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کالج کے اوقات کے علاوہ بھی ہر وقت طلب علم و فن کے لئے آنے والوں کا استقبال کرنے میں وہ ہمیشہ پیش پیش رہتے ہیں۔

محترم عبدالباری صدیقی صاحب کی پیش نظر تالیف دین اسلام کے نہایت حساس و نازک مگر بنیادی نوعیت کے موضوع ”ایمانیات“ پر محیط ہے جس کی تشریح و توضیح حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی ان انقلابی، اصلاحی اور تجدیدی تعلیمات کی روشنی میں کی گئی ہے

جنہیں اپنے مکتوبات قدسی آیات کے ذریعہ امت مسلمہ کی فلاح کے لئے راج و نافع کرنے کے لئے کفن بردوش ہو کر آپ نے جدوجہد فرمائی ہے۔ حضرت امام ربّانی قدس سرہ کی دینی خدمات خاص طور سے ایک مرلوط، موثر اور ہمہ گیر تبلیغی نظام کے ذریعہ نفاذ اسلام کے لئے آپ کی منظم تحریک کو تاریخ اسلام میں اہم ترین سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ پروفیسر عبدالباری صدیقی صاحب نے اسی تحریک کے عوامل و عواقب اور نفاذ اسلام کے لئے حضرت امام ربّانی کے اس طریقہ کار پر انتہائی لطیف اور عالمانہ انداز میں روشنی ڈالی ہے، جس پر کامیابی سے عمل کر کے آپ ”مجدد الف ثانی“ کی مسند عالیہ پر فائز ہوئے۔ اس لحاظ سے ”مجدد الف ثانی“ کے مکتوبات کا جائزہ ایمانیات کے حوالے سے اہم دینی خدمت کے علاوہ نظر انداز عقیدت بھی ہے۔ یہ حقیقت تو ہم سب پر عیاں ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں اچھے دین، تجدید سنت نبوی اور اسلامی اقدار کی نشوونما یہاں کے مسلمان بادشاہوں کی نہیں بلکہ امام ربّانی جیسے باخبر، بالغ نظر اور صاحب بصیرت سرکف مبلغ اسلام صوفیائے کرام اور اولیائے عظام رحمۃ اللہ علیہم کی مڑھون منت ہے جنہیں جاہ پرست اور دنیاوی طاقت میں مدہوش، اخلاقی بُرائیوں کے علم بردار بادشاہوں نے ہمیشہ حقیر نگاہوں سے دیکھا۔ چنانچہ شہنشاہ جہانگیر کی تزک جہانگیری میں ایک جگہ حضرت امام ربّانی کی رہائی کا ذکر ان الفاظ میں ملتا ہے :

”اس تاریخ (منگل ۱۳ ماہ خورداد) کو میں نے شیخ احمد سرمنہدی کو جسے بے ہودہ گوئی کے سلسلہ میں کچھ عرصے سے قید کر رکھا تھا آزاد کر دیا اور خلعت اور ایک ہزار روپے عنایت کر کے اُسے اجازت دے دی کہ خواہ واپس سر ہند چلا جائے یا میرے حضور میں رہے۔“

— تزک جہانگیری ترجمہ مولوی علی احمد رامپوری بارچہارم ۱۹۲۲ء —

جناب پروفیسر عبدالباری صدیقی صاحب نے جامعہ بحر العلوم (مدرسہ عالیہ قدیم) فرنگی محل لکھنؤ سے دینی علوم کی تعلیم حاصل کی۔ اس مشہور اسلامی دانشگاہ کے مہتمم اعلیٰ اور بچہ عالم و فقیہ حضرت مولانا مفتی حافظ ابوالقاسم محمد عتیق انصاری فرنگی محلی خلیف الرشید حضرت شمس العلماء الرزوی نے شیخ ابوالحامد محمد عبدالحمید انصاری فرنگی محلی سے اسٹھیں براہ راست شرف تلمذ بھی حاصل ہے یہ آپ ہی کی فیضان نظر کا اثر ہے کہ پروفیسر عبدالباری صدیقی صاحب نے مکتوبات امام ربانی کی روشنی میں ایمانیات کی تشریح و توضیح کرتے وقت شرعی دلائل و نصوص کی پیروی انتہائی پابندی سے کی ہے۔ اس لحاظ سے حضرت امام ربانی کے مکتوبات اور ایمانیات پر ان کی یہ کتاب دینی و تاریخی کتابوں میں ایک گراں قدر اضافہ ہے اور اچلے دین کے ضمن میں اہمیت کی حامل ہے۔ اللہ تعالیٰ پروفیسر عبدالباری صدیقی صاحب کی یہ دینی و علمی خدمت قبول فرمائے۔ آمین !!

پیش گوئی

تاج چیمپین، نیوٹاؤن، میرپور خاص سندھ
 جی۔ کے تاج قائم خانی (ایڈووکیٹ)
 مورخہ یکم جنوری ۱۹۸۵ء
 معتمد اعلیٰ فن کدہ

تعارف

ڈاکٹر پروفیسر غلام مصطفیٰ خاں صاحب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

محترم پروفیسر عبدالباری صدیقی صاحب تاریخ کے استاد ہیں اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ دین سے بہت متغف رکھتے ہیں، اسی لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر ایک گرانقدر کتاب لکھنے کی سعادت بھی حاصل کر چکے ہیں۔ ان کے دل میں بڑا خلوص ہے اور اس خلوص کی وجہ سے وہ ہر موضوع کے لئے سخت احتیاط سے کام لیتے ہیں۔

پروفیسر صاحب کی موجودہ کتاب مکتوباتِ امام ربّانی (قدس سرہ) کے موضوع "ایمانیت" متعلق ہے۔ یعنی مکتوباتِ شریفیہ کے ضروری اقتباسات یکجا کر کے ان کا ترجمہ بھی دیدیا ہے اور ان اقتباسات و اقوال کی افادیت اور اہمیت کو بھی واضح کیا ہے، پھر اس موضوع کے ذیل میں تبلیغِ دین کے اغراض شرائط، دین کی حقیقت، ہجرت کے مختلف معانی، مقامِ صحابہ، عقائد صحیحہ احکام شرعیہ کا علم، ان پر عمل اور عمل میں اخلاص، ارکانِ اسلام کی ضرورت و اہمیت حقوق اللہ حقوق العباد، تزکیہ نفس، اس کے ذرائع و مدارج، اہل اللہ کی رفاقت، ضابطہ اخلاق و آداب وغیرہ عنوانات کے تحت حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے اقوال کا انتخاب پیش کیا ہے جو وقت کی ضرورت کے لحاظ سے بہت اہم ہے۔ حضرت مجدد قدس سرہ چونکہ الف ثانی کے لئے ہیں اس لئے اس موجودہ الف (دوسرے ہزارہ) میں ہماری قوم کے سامنے جتنے مسائل آئے ہیں یا آسکتے ہیں ان سب کا حل آپ کے مکتوبات میں مل جاتا ہے اور ان کے ذریعہ بہت سی بدعتوں کا قلع قمع ہو سکتا ہے۔ پروفیسر صاحب نے اسی خیال کے پیش نظر فی الحال "ایمانیت" کا موضوع منتخب کیا ہے تاکہ بنیادی طور پر ہم دین کی حقیقت سمجھیں اور حضرت مجدد کے نظریات اور توضیحات سے مستفید ہو سکیں۔

پروفیسر صاحب کے اس جذبہ صادق کی ہم دل سے قدر کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ پاک ان کو دین اور قوم کی خدمت کے لئے نادر سلامت باکرامت رکھے، آمین

لغور
مصطفیٰ خاں

(ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں)

ایم۔ اے، ایل ایل بی
پی ایچ ڈی، ڈی رٹ۔

مورخہ ۳ جنوری ۱۹۸۵ء

۲۔ اولڈ یونیورسٹی کیمپس

حیدرآباد، سندھ۔

اِقْتِنَاحِیۃ

عالیجناب سید غوث علی شاہ، وزیر اعلیٰ، حکومت سندھ

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ شریعت اسلامیہ کی مکمل و غیر مشروط اتباع کی برکتوں سے ملتِ مسلمہ کو عالمی امامت و سیادت کا اعزاز صدیوں حاصل رہا۔ وہ فلاح و شادمانی کی نعمتوں سے فیضیاب ہو کر اپنی شانِ عبقریت سے جبر و استبداد کی طاغوتی و استحصالی طاقتوں کے استیصال میں علیہ و فتح سے ہمکنار ہوئی۔ تاریخ نے اسے فروغِ انسا کا علمبردار تسلیم کیا اور محافظانہ نیت سے نوازا۔ جس نے قیصر و کسریٰ کی استعماری استبدادیت کو ٹھکرا کر "سلطانی جمہور" کے قرآنی نظریہ کو عملی جامہ پہنایا، طبقاتی و لسانی امتیازات کو مٹا کر حقیقی اخوت و مساوات کے مستحکم رشتوں پہنچا، عالمِ انسانیت کی بین الاقوامی برادری کی بنیادیں استوار کیں اور رنگ و نسل حسبِ نسب اور وطنیت و قومیت کے بجائے اخلاص و تقویٰ، علم و دانش اور قناعت و فقر غیور کی کوشش و فضل کا پیمانہ قرار دیا۔

اسی بات کا اعتراف کرتے ہوئے ایچ، جی، رلیز تحریر کرتا ہے کہ :-

اس نے حبشی مسلمانوں کو خلیفہ کے دوش بدوش لاکھڑا کیا دنیا میں حق و انصاف کی بالادستی قائم کی، اعلیٰ ظرفی و بالغ نظری کے قابلِ عمل انسانیت لوز اصول نافذ کئے اور ایک ایسا معاشرہ تخلیق کیا جو ظلم و ستم اور جبر و استحصالی سے پاک تھا اور جسے کسی بھی جماعت یا قوم نے اس سے قبل کبھی بھی نہیں قائم کیا تھا۔

لیکن جوں ہی مسلمانوں نے شریعت سے روگردانی اختیار کی، غربت و منکبت کے شکار بنے پھنس کر اس حد تک معذور و بے بس ہو گئے کہ پھر اپنے ملی شخص

اور نظریاتی سرحد کے تحفظ و دفاع کی اہلیت سے بھی محروم ہو کر رہ گئے۔
یہ مد نظر رہے کہ محض سیاسی اقتدار ہی عالم اسلام کی بالادستی کا ضامن
نہیں۔ تعمیلِ شریعت کے بغیر اسے یہ بالادستی حاصل نہیں ہو سکتی۔
امامت و سعادت تو صرف شریعت کے طفیل میں مل سکتی ہے۔ فلاحِ
دارین تو صرف امتثالِ شریعت کا ثمرہ ہے۔ اس لئے شریعت سے منہ موڑ کر
مسلمان تو کہیں کا بھی نہیں رہتا۔

یہی وجہ ہے کہ مسلمان جب بھی اپنے ملی عقائد و نظریات سے منحرف
ہوئے، صاحبِ اقتدار ہونے کے باوجود باطل کے ہاتھوں عاجز و خاسر رہے۔
سولہویں صدی کے اواخر اور سترہویں صدی کے اوائل میں خاندانِ بادشاہ کو
برصغیر میں استقلال تو حاصل ہو گیا مگر اسلامِ غریب کا غریب رہا اور مسلمانِ غریب و
تکبت کی مار کھاتے رہے۔ حضرت مجددِ الف ثانی شیخ سرہندی فاروقی رحمۃ اللہ علیہ
فرماتے ہیں کہ :-

”ایک صدی سے اسلام پر غربت چھانی ہوئی ہے۔ مسلمانوں کے
علاقوں میں کافر اپنی ریت رسوم منانے ہی پر بس نہیں کرتے بلکہ
ان کی آرزو تو یہی ہے کہ مسلمان احکامِ شرعی سے دور ہو جائیں اور
اسلام اور اہل اسلام کا نشان تک باقی نہ رہے۔ نوبت تو
یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اگر کوئی مسلمان اسلامی اشعار کا
مظاہرہ کرتا ہے تو اسے قتل کر دیا جاتا ہے۔“

(مکتوبات امام ربانی - دفتر اول، مکتوب ۸۱)

”اسلام ضعیف ہو رہا ہے، کفار بے تحاشہ مسجدوں کو
مسمار کر کے ان کی جگہ مندر بنا رہے ہیں۔ چنانچہ جنیسریں حوض
کرکھیت کے کنارے ایک مسجد اور کسی بزرگ کا مقبرہ کھنڈا لیکن
اسے منہدم کر کے بڑا بھاری مندر کھڑا کر دیا ہے۔ اس طرح

کفارِ علانیہ اپنی ریت رسوم منار ہے ہیں لیکن مسلمان بہت سے اسلامی احکام جاری کرنے سے معذور ہیں۔“

(مکتوبات امام ربانی - دفتر دوم - مکتوب ۲۹)

اس زبوں حالی کے ذمہ دار خود مسلمان ہی تھے۔ وہ اختیار کے رنگ میں پوری طرح رچے ہوئے تھے۔ ہولی و دیوالی کے ہتوار منانے میں پیش پیش رہتے اور گروے کپڑے پہن کر ان جیسا بننے کی ریس کرتے۔ توہمات کی ماری مسلم خواتین ان کی رسموں کے جال میں پوری طرح جکڑی ہوئی تھیں۔ حاجت روائی کے لئے بتوں کے آگے گڑ گڑا کر پڑا تھا کرنے اور چھیک جیسی بیماریوں کا اثر اتارنے کے لئے مشرکانہ رسموں کو ادا کرنے میں انھیں کوئی عار نہیں تھا۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کو خبردار کیا کہ وہ رسوم کفر سے بریت حاصل کئے بغیر ایمان و اسلام کی برکتوں سے فیض نہیں اٹھا سکتے۔ آپ نے واضح فرمادیا کہ:-

”رواسم کفر و شرک کی تعظیم بھی شرک میں داخل ہے۔ جو

بھی کفر و اسلام دونوں پر ایمان لاتا ہے وہ مشرک ہے اور

دونوں کے احکام کو بلا جلا کر ان کی پیروی کرتا ہے وہ بھی

مشرک ہے۔ یاد رکھو! کفر و مراسم کفر سے بریت و بیزاری

شرط اسلام ہے۔“ (مکتوبات امام ربانی - دفتر سوم - مکتوب ۴۱)

اس لئے کفر و اہل کفر سے اظہارِ بریت اور قلب و قالب سے

شریعتِ اسلامیہ پر اظہارِ ایمان اسلام و اہل اسلام کی سر بلندی کے لئے

شرط لازم ہے۔ اسے ثابت کرنے کے لئے مجدد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی

شریعت کی نوعیت، اہمیت اور افادیت کے پہلو پر اپنے مکتوبات میں

روشنی ڈالی ہے۔ پھر نہ صرف اس کے احیا، تبلیغ، ترویج اور تنفیذ پر عوام و خواص

علماء و صوفیاء، اربابِ دربار و اقتدار کو مائل، راغب اور آمادہ کیا بلکہ

ان ہی کے تعاون سے جنوبی ایشیا کے طول و عرض میں ایک ہمہ گیر ریہن تحریک چلا کر اس کو ہر مقصود کو حاصل کرنے میں کامیاب بھی ہو گئے۔ عالم اسلام نے ان تجدیدی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کو موجودہ ہزار سالہ دور کے لئے ”مجدد اعظم“ تسلیم کیا اور ”امام ربانی مجدد الف ثانی“ کے لقب سے سرفراز کر کے آپ کی بارگاہ عالیہ میں خراج عقیدت پیش کیا۔

پروفیسر عبدالباری صدیقی صاحب نے زیر نظر کتاب ”مکتوباتِ امام ربانی اور ایمانیات“ میں نہ صرف شریعت اسلامیہ کی اہمیت اور افادیت پر روشنی ڈالی ہے بلکہ نفاذِ شریعت کے لئے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات سے استنباط کر کے ایک مکمل اور جامع ضابطہ شریعت کی نشاندہی کرتے ہوئے اس کے شرائط و لوازم پر بھی بحث کی ہے۔ انہوں نے دو لوگ الفاظ میں یہ بات واضح کر دی ہے کہ شریعت اسلامیہ پر علم و عرفان اور اخلاق و تقویٰ کے ساتھ ایمان لائے بغیر نہ تو کوئی اس پر عمل پیرا ہو سکتا ہے اور نہ ہی نفاذِ اسلام کے لئے کوئی تحریک بار آور ہو سکتی ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ دامانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تھامے بغیر اسلام کی راہ میں ایک قدم بھی رکھنے کی جسارت کی گئی تو پھر ضلالت و گمراہی کی بھول بھلیوں میں پھنس کر بھڑکتے ہوئے دوزخ کے آلاؤں میں اوندھے منہ گرنے اور کھسم ہو جانے کے علاوہ ہمارا حشر اور کیا ہوگا! ۵

بمصطفیٰ برسوں خولیش کہ دیں ہمہ اوست

اگر باوند رسیدی تمام بولہبی ست

اس لئے سنتِ نبویہ کی تجدید و احیاء کے بغیر نفاذِ شریعت کا عمل کیسے شروع ہو سکتا ہے! حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایم کفر و شرک سے سنتِ نبویہ کی تطہیر فرمائی اور اربابِ اقتدار کے دلوں میں عشقِ مصطفیٰ کی جوت جگا کر انہیں آپ کی سنت کا متوالا و شیدائی بنا دیا۔ آخر کار سنتِ نبویہ کی

تبلیغ و تعلیم، ترویج و تجدید اور تنفیذ و تعمیل کا ایک ایسا موثر نظام قائم ہو گیا جس نے مغلیہ حکومت کی ہیئت بدل کر رکھی۔ تدبیر و سیاست کے اداروں کو شریعت کے مطابق ڈھالنے کی تحریک شروع ہو گئی۔ تنفیذ یہ ہو یا مقننہ، مالیہ ہو یا عدلیہ ہر ایک کے وظائف و فرائض معمولات مططفوی کی کسوٹی سے پرکھنے کا رجحان بڑھنے لگا جس کا "نقطہ اسراع" اورنگ زیب عالمگیر کی سرپرستی میں تدوین و نفاذ شریعت پر منتج ہوا۔ محترم پروفیسر عبدالباری صدیقی نے زیر نظر کتاب میں حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تحریک تجدیدیت کے کسی پہلو کو نظر انداز نہیں کیا ہے۔ دور حاضر میں عالم اسلام کے تناظر میں گرد و پیش کا جائزہ لیا جائے تو ہر صاحب فہم و ذکا اُن کی اس ملی خدمات کا اعتراف کرے گا۔

اس وقت بھی عالم اسلام غربت و کس مپرسی کا آئینہ دار بن کر درس عبرت دے رہا ہے۔ ایک سپر پاور افغانستان کے اسلامی حصار کو اشتراکیت کا کچھار بنانے پر تلا ہوا ہے۔ صیہونی عفریت عالم عرب کو اجاڑ کر اسلام کے آثار تک مٹانے کے لئے تڑپ رہا ہے۔ ایران و عراق سالوں سے نبرد آزما ہیں اور ایک دوسرے کو زک پہنچانے اور زیر کرنے کے لئے اپنی اپنی تو اٹا بیٹوں کو جنگ کی بھٹی میں جھونک کر خود اپنی اپنی ہستی کو جلانے میں مصروف کارزار ہیں۔

اس زبوں حالی کا ذمہ دار خود عالم اسلام ہے جس نے وطنیت و قومیت کو حرز ایمان بنا لیا ہے۔ پروفیسر عبدالباری صدیقی صاحب نے عالم اسلام کو احساس دلانے کی کوشش کی ہے کہ صرف قرآن و سنت کی رسی کو مضبوطی سے تھام کر "ادب بنیان موصوف" یہ قائم سیسہ پلائی دیوار بن کر ہی وہ اغیار کی سازشوں کا جال توڑ کر اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکتا ہے۔

عزت علی شاہ

(سید غوث علی شاہ)

۱۸ اپریل ۱۹۸۵ء

تقدیم

ڈاکٹر پروفیسر مسعود احمد

پروفیسر عبدالباری صدیقی زیرِ عنایتہ تاریخ کے اُستاد ہیں اور گزشتہ ۲۷ سال سے درس و تدریس اور تخریر تصنیف کے فرائض انجام دے رہے ہیں ان کو علمی تحقیقات سے بڑی دلچسپی ہے اور زبان پر عبور حاصل ہے۔ انہوں نے اس سے قبل سیرت رسول کریم علیہ التعمیہ والتسلیم تخریر فرمائی جو شائع ہو چکی ہے اور کئی مضامین و مقالات تخریر فرمائے۔

وہ علم و دانش کے میدان میں نووارد نہیں، کہنہ مشق ہیں، علم کی لگن رکھتے ہیں اور لکھنے کا سلیقہ جانتے ہیں۔ پیش نظر مقالہ ان کی علمی کاوش کا قابلِ تحسین نمونہ ہے اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے تعلق رکھنے والے حضرات کے لئے خصوصاً قابلِ مطالعہ ہے۔

کسی بھی فرد کے ادکار و خیالات کا جائزہ لینے کے لئے اس کی اپنی تصانیف بنیادی اہمیت رکھتی ہیں۔ پروفیسر صاحب نے ایمانیات کے سلسلہ میں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے ادکار و خیالات معلوم کرنے کے لئے مکتوبات شریف کو بنیادی ماخذ بنایا ہے۔ مکتوبات کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ یہ مکتوبات تو ہیں مگر خطبات بھی ہیں اور مکالمات بھی۔ یہاں امراضِ روحانیہ کی نشاندہی بھی کی گئی ہے اور اس کا علاج بھی پیش کیا گیا ہے۔ پروفیسر صاحب نے مکتوبات شریف کی تینوں جلدوں کو خوب کھنگالا ہے اور اپنے موضوع سے متعلق بکھرے ہوئے مواد کو

یک جا کیا ہے تاکہ پڑھنے والا امام ربّانی کے افکار سے قریب سے قریب تر ہو جائے۔ اکھنوں نے مکتوبات شریف سے ۲۷۰ حوالے دیے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ موضوع پر اُن کی گرفت مضبوط ہے اور سلام ربّانی کے جو افکار و خیالات پیش کئے ہیں وہ غیر مشکوک ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ امام ربّانی کے افکار نے پاک و ہند کی فکری زندگی اور سیاسیات پر گہرا اثر ڈالا اور معاشرے میں تدریجی انقلاب پیدا کیا۔ پاکستان و ہند کے مفکرین میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ڈاکٹر محمد اقبال، امام ربّانی سے بہت متاثر ہیں اور پاک و ہند کے دانشوروں کے اذبان پر اُن کی گہری چھاپ ہے۔

امام ربّانی نے زمانے کے ساتھ تو چلنا نہیں سکھایا بلکہ زمانے کو اپنے ساتھ چلنا سکھایا۔ آپ نے اور آپ کی اولاد نے ملتِ اسلامیہ کو زندہ اور متحرک نظر پیر فرمایا کیا۔ آپ نے اپنے فکر و قلم کو زمانے کے تقاضوں سے الگ نہ رکھا اور بے سود مشاغلیں میں اپنی توانائیاں صرف نہ کیں بلکہ وہی سوچا اور وہی لکھا رُوحِ عصر جس کا تقاضا نہ کر رہی تھی اور زمانہ جس کے لئے برسوں سے منتظر تھا۔

امام ربّانی نے سب سے اہم کام یہ کیا کہ عقائد کی بنیادوں کو از سر نو مستحکم کیا۔ عقائد و ایمانیات کی حیثیت رُوح کی سی ہے، اگر یہ صحیح نہیں تو چلنا پھرتا انسان جس دے رُوح کی مانند ہے۔ عقائد جتنے مستحکم ہوں گے زندگی اتنی ہی محکم ہوگی۔ امام ربّانی نے عقائد کو مستحکم کر کے خود زندگی کو محکم بنایا۔

امام ربّانی کا خانقاہی نظام جامد و غیر متحرک نہ تھا بلکہ زندہ و متحرک تھا۔ آپ نے سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرتے ہوئے

مکتوبات نگاری کا سلسلہ شروع کیا اور اس کو ہدایت و ارشاد کا ایک موثر ذریعہ بنایا۔
 آپ نے بادشاہِ وقت، وزیر، امراء، فوجی افسران اور صحافتیت
 مسلمانوں کو مسلسل مکاتیب لکھے اور رفتہ رفتہ ان کے مزاج کو بدلا اور انکی
 عادتوں کو شریعت کے مطابق ڈھالا۔ یہ ایک اہم تبدیلی تھی تاریخ جس کی
 نشاہد ہے۔

صورت حال یہ تھی کہ شریعت و طریقت کو دو خانوں میں تقسیم کر دیا گیا
 تھا جس سے گمراہی کا راستہ کھلا اور اصلاح کی راہیں مسدود ہو گئیں۔ امام ربانی
 نے بنایا کہ شریعت و طریقت الگ الگ نہیں بلکہ عین یک دگر ہیں۔
 اس اصلاحی فکر نے عُلماء و صوفیہ دونوں کی اصلاح کی اور صراطِ مستقیم نظر
 آنے لگی۔ یہی وہ صراطِ مستقیم تھی جس پر سلفِ صالحین صدیوں سے
 چلتے رہے۔

امام ربانی نے ایک طرف مذہبی ماحول کو سدھارا تو دوسری طرف
 سیاسی ماحول کی اصلاح کی۔ آپ کے دور میں اکبر اور جہانگیر کی
 غیر محتاط پالیسیوں نے کفار و مشرکین ہند کو بہت دیر کر دیا تھا اور وہ اس
 حد تک آگے بڑھ گئے تھے کہ مسلمانوں کی سلبی حیثیت مجروح ہو گئی تھی اور بقول
 امام ربانی اسلام کا نام و نشان مٹنے لگا تھا۔ نظریاتی حکومتوں میں
 دوسرے نظریہ کے حاملین کو محدود پیمانے پر رعایتیں دی جاتی ہیں اور ان سے
 معاشرتی اور عائلی اشتراک کو پسند نہیں کیا جاتا۔ دورِ جدید کی نظریاتی
 حکومتوں کے مقابلے میں اسلام نے اپنی قلمرو میں دوسرے نظریات کے حاملین کو
 بہت رعایتیں دی ہیں۔ امام ربانی یہی چاہتے تھے کہ کفار و مشرکین
 کو اتنی ہی رعایتیں دی جائیں جن کے وہ مستحق ہیں۔ چنانچہ آپ نے اپنی جدوجہد کا
 آغاز کیا اور دو قومی نظریہ کا احیا کر کے نہ صرف اپنے عہد کو کفار و مشرکین
 ہند کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رکھا بلکہ مستقبل کے لئے راہ ہموار کر دی۔

حقیقت یہ ہے کہ قوموں کی زندگی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت میں مضمر ہے۔
 امام ربانی نے مہمبیات اور سیاسیات دونوں میں شرعی اوامر و نواہی
 کی نشاندہی فرمائی۔ فکر و عمل کی اس دنیا میں جہاں افکار و اعمال کے
 انبار لگے ہیں یہ معلوم کرنا کہ کونسا فکر نوع النسانی کے لئے حیات آفرین ہے
 اور کونسا مہلک و مضر؟ اور کون سا عمل زندگی بنائے والا ہے
 اور کون سا عمل زندگی بگاڑنے والا؟ بہت مشکل ہے اور اس گتھی کو سلجھانا عقل
 کے بس کی بات نہیں۔ خالق حیات ہی سلجھا سکتا ہے۔
 جس نے حکمت و دانائی کی ساری باتیں ”کتاب حکمت“ قرآن حکیم میں جمع فرمادی
 ہیں۔ امام ربانی نے مسلمانوں کو اس ”کتاب حکمت“ کی طرف متوجہ کیا اور اس
 کے تمام اوامر و نواہی کو بڑے دلپذیر اور حکیمانہ انداز سے بیان فرمایا کہ
 جو کچھ فرمایا وہ دل میں اترتا چلا گیا۔ اور فکر و عمل میں ایک انقلاب آگیا۔
 امام ربانی کا ایک کارنامہ یہ ہے کہ اٹھوں نے سیدھی اور سچی باتوں کو
 فلاسفہ کی موٹسکافیوں سے بچا لیا اور مسلمانوں کو کسی ذہنی الجھن میں مبتلا نہ
 ہونے دیا۔ اس خصوص میں ان کا تصور وحدۃ الشہود قابل ذکر ہے۔
 تصور وحدۃ الوجود کی غلط تعبیرات اور غلط تصریحات نے ایک ہنگامہ برپا
 کر دیا تھا اور اسلام کے فکری ڈھانچہ کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ امام ربانی نے
 صاف اور سیدھا راستہ بتایا۔ اور یہ اعلان کیا کہ ایک وجود تو وہ ہے
 جو خود قائم و دائم ہے اور ایک وجود وہ ہے جو محتاج ہے۔ یعنی ایک
 اللہ کا وجود جو اپنی ذات سے قائم ہے اور ایک ہمارا وجود جو اس کی ذات کا
 محتاج ہے۔ بات صاف ہو گئی۔ دل مطمئن ہو گئے۔
 اقبال نے اپنے شعری پیکروں میں اسی فکر کو پروان چڑھایا اور وہ مشرقِ مغرب
 کا نقیب بنا۔ اگر امام ربانی نہ ہوتے تو اقبال، اقبال نہ ہوتے۔
 امام ربانی نے ظاہر و باطن کی صفائی پر زور دیا ہے۔

ظاہر کی صفائی پر تو سب زور دیتے ہیں مگر باطن کی صفائی کی کوئی خبر نہیں لیتا
 پھر ظاہر کی صفائی بھی کہاں میسر ہے؟ — اس صفائی
 کو پاکیزگی اور طہارت تو چھو کر بھی نہیں گذری — امام ربانی نے جس نے جس
 میں آنکھیں کھولیں اس دور میں معاشرہ ظاہر و باطن کی صفائی سے نا آشنا تھا
 — ایک تحریک کی ضرورت تھی — ایک انقلاب کی ضرورت تھی
 — ایک پکار کی ضرورت تھی جو لوگوں کو چونکا دے —
 امام ربانی نے تزکیہ نفس اور اخلاص فکر و عمل کا علم بلند کیا اور معاشرہ
 کو ظاہر و باطن کی طہارت کا درس دیا — اُن کے فیضانِ صحبت اور
 فیضانِ تربیت سے گناہگاروں نے گناہوں سے توبہ کی اور ایسے پاک صاف
 ہو گئے جیسے بھٹی سے سونا نکل کر پاک صاف ہو جایا کرتا ہے —
 پھر ان تربیت یافتہ لوگوں نے ماحول کو متاثر کرنا شروع کیا اور رفتہ رفتہ ایسی تبدیلی
 آئی کہ ایک صدی بعد اورنگ زیب عالمگیر کی صورت نظر آئی — اورنگ زیب عالمگیر
 امام ربانی کی تحریک تجدید و احیاء دینِ متین کا نقطہ عروج تھا —
 الفرض امام ربانی اپنے عہد کے ایک عظیم مفکر، ایک عظیم مصلح اور ایک
 عظیم انقلابی تھے جنہوں نے نہ صرف اپنے ماحول کو متاثر کیا بلکہ ان کی اصلاحی تحریک
 کے اثرات پاک و ہند سے نکل کر افغانستان، روس، ترکی اور دیگر بلادِ اسلامیہ
 میں پھیل گئے اور چار صدیوں سے کچھ کم عرصہ گزر جانے کے باوجود اُن کے اثرات اب تک
 دیکھے جاسکتے ہیں — پروفیسر عبدالباری صدیقی زید مجدہ نے ہم سب پر احسان فرمایا
 کہ مکتوبات شریف کی ضخیم مجلدات سے امام ربانی کے اذکار عقائد اخذ کر کے ہمارے
 سامنے پیش کیے۔ مولا تعالیٰ ان کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائے اور اس کتاب کو
 مقبول و محمود بنائے۔ آمین !!

پروفیسر مسعود احمد

(ڈاکٹر پروفیسر مسعود احمد)
 پرنسپل گورنمنٹ کالج ٹھٹہ سندھ

گورنمنٹ کالج ٹھٹہ سندھ
 ۲ جنوری ۱۹۸۵ء

پیش لفظ

الحاج سجاد حکیم محمد سعید دھلوی

دین اسلام کی صداقت و عقانیت اور اس کی ہمہ گیری و ابدیت کا ایک بہت بڑا ثبوت یہ بھی ہے کہ اس امر کی حفاظت و تقویت کے لئے تاریخ ساز شخصیتوں کا ہمیشہ ظہور ہوتا رہا ہے۔

نبوت کی زبان فیض ترجمان نے بھی اس حقیقت کا اعلان کر دیا ہے کہ:
 ”ان اللہ عزوجل بیعت لہذا الامة علی راس کل سنة من یجد دینہا دینہا“

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سرے پر ایسے فرد کو اٹھائے گا جو اس امت کے لئے اس کے دین کو تازہ کر دے گا۔

چنانچہ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ کے ہر موڑ پر اللہ کے ایسے خاص بندے نظر آتے ہیں جنہوں نے دین و شریعت کو آمیزش، تخریف اور بدعات و خرافات سے پاک رکھنے کے لئے سیف و سناں اور زبان و قلم دونوں سے ایسی مجاہدانہ خدمات انجام دی ہیں کہ اسلامی تعلیمات ہمیشہ خالص اور بے آمیز رہیں اور رُوح شریعت کی جلا و تازگی اور اس کی آفتاب میں کبھی کوئی فرق نہیں آیا۔ اُمّتِ مسلمہ شمعِ مصطفوی کے اُن پر والوں اور جانثاروں کی مہنون احسان ہے جنہوں نے اپنے وقت کے اہم اور سنگین فتنوں کا سد باب کیا، دین کو بدعات سے پاک کیا اور تعلیماتِ اسلام میں آمیزش و تخریف کی مذموم کوشش کا استیصال کیا۔

۵۳۵۵

شیخ احمد سرہندی فاروقی اُمّت کے اٹھیں اکابر میں ہیں جن کے

اُن کی تجدیدی خدمات کی تاریخ بہت مبسوط ہے، اُنھوں نے اپنے وقت کے
فکری اور اعتقادی محاذ پر ایک اولوالعزم مجاہد اور عظیم مفکر و مبلغ کی حیثیت سے
جو خدمات انجام دی ہیں اُن کا احاطہ چند الفاظ میں ممکن نہیں۔ اُن کے تجدیدی
اقدامات نے دین کے خلاف سر اٹھانے والے بیشتر فتنوں کا سدباب کیا ہے۔
اُنھوں نے اپنے عہد میں وحدت ادیان کے اس فتنے کی بھی سرکوبی کی، جو
حکومت وقت کی پشت پناہی میں ایک ہمہ گیر اعتقادی، فکری اور تہذیبی
ارتداد کی صورت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ اس طرح ہندوستان کی ملت اہل امیہ
کو اُنھوں نے اس خطرہ عظیم سے بچانے کی موثر اور کامیاب سعی کی۔

اُن کا اہم کارنامہ یہ بھی ہے کہ اُنھوں نے طریقت پر شرعیت کی بالادستی
قائم کی اور اس ریاضت و مجاہدہ کو جس کی کوئی شرعی حیثیت نہ ہو ایک فتنہ
قرار دیا، اس طرح جوگ اور سنیا س کے رجحان پر ضرب لگائی۔

وحدت الوجود کے اس فلسفیانہ اور متصوفانہ نظریے کا پر زور ابطال کیا
جس سے متاثر ہو کر اس عہد کے علمی تجربات اپنا اسلامی مزاج کھو بیٹھے تھے۔

میرے نزدیک اُن کی تجدید کا مرکزی پہلو یہ ہے کہ اُنھوں نے نبوت محمدیؐ
اور اس کی ضرورت و ابدیت پر اہل ایمان کے دلوں میں اعتقاد راسخ پیدا کیا۔
عملی طور پر قرآن و سنت کو معیار حقیقی تسلیم کرنے کے لئے اُنھوں نے جو انقلابی
اور اصلاحی اقدامات کئے میرے خیال میں وہی اُن کی سعی تجدید دین کے روشن
ترین پہلو ہیں۔ اس خدمت کی بناء پر بلاشبہ وہ الف ثانی کے مجدد ہیں، اور
اُن کا وہ عظیم الشان کارنامہ جس کا ذکر سطور بالا میں کیا گیا تاریخ تجدید کے
زرّیں باب کی حیثیت رکھتا ہے۔

اُن کی متعدد تصانیف کے علاوہ اُن مراکاتب کو ہمہ گیر شہرت و مقبولیت

حاصل ہے جو تین ضخیم دفاتر میں ہیں۔ یہ مکتوبات اپنے عہد کی دینی، اعتقادی اور فکری تاریخ بکھی ہیں اور شیخ احمد کے تجدیدی و اصلاحی افکار کا آئینہ بھی۔ ان شعلہ بد اماں تحریروں سے عہد جہاں گیری میں بھی انقلاب برپا ہوا اور ان میں اثر انگیزی و ایمان افزینی کی خصوصیات آج بھی موجود ہیں۔

محترم پروفیسر عبدالباری صاحب نے دفتر اول دوم و سوم کے لغو مطالعے کے بعد ایمانیات، شریعت اسلامیہ کی پابندی، عقیدہ لوحید اور احتسابِ نفس جیسے عنوانات کے تحت حضرت مجدد الف ثانیؒ کے افکار کو نہایت منظم صورت میں پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ ان کی تالیف کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اخلاق و عبارات اور تزکیہ نفس جیسے عنوانات کے ساتھ بعض ایسی اہم چیزیں بھی شامل ہیں جن کی افادیت اور اہمیت حالاتِ حاضرہ کے تناظر میں وسیع تر ہے۔ مثلاً دو قومی نظریہ اور احکامِ الہی کے نفاذ میں حکمرانوں کا کردار۔ یہ کتاب جناب پروفیسر عبدالباری صاحب کے دینی جذبے، مکاتیب کے عمیق مطالعے اور ان کی تصنیفی اہلیت و صلاحیت کا ایک قابل قدر نمونہ ہے۔ توقع ہے کہ افادہ خصوصیات کی بنا پر علمی و دینی حلقوں میں اس کتاب کی پذیرائی ہوگی۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ احسن قبول عطا فرمائے اور فاضل مولف کو ان کی اس سعیِ مستحسن کی جزائے خیر دے، آمین !!



حکیم محمد سعید

مقصودِ مومن

پروفیسر عبدالباری صدیقی

اسلام تسلیم و رضا کا طالب تو ہے مگر امن و فلاح کا ضامن بھی ہے۔ وہ مشیت ایزدی کے مطابق، محض اس کی رضا کی خاطر زندگی ڈھالنے کا عہد لیتا ہے مگر اس کے ساتھ ”فلاح دارین“ کی برکتوں اور نعمتوں سے نوازنے کا پروانہ بھی عطا کرتا ہے۔ صرف شرط اتنی سی ہے کہ پس و پیش، شش و پنج اور حیسب میں کے بغیر، کمال ایمان و ایقان کے ساتھ، دین اسلام یا شریعت اسلامیہ کے احکام و قوانین پر پوری پوری طرح عمل کیا جائے۔

شریعت اسلامیہ پہ استقلال و استمرار کے ساتھ ایمان و ایقان کا کمال یہ ہے کہ اس کی پیروی کرنے والے خوف و دہشت، رنج و محن اور کھوک پیاس ”خوف“، ”حزن“، ”جوع“۔۔۔ سے پاک، مامون و محفوظ ہو کر سلامتی و آشتی کے ماحول میں دنیا و آخرت کی حقیقی خوشیوں سے بھرپور زندگی بسر کرتے ہیں۔ شریعت اسلامیہ کی کیمیا اثر و عیت، اس کی لغوی و معنوی ہیئت سے بھی واضح ہے۔ لسان العرب اور تاج العروس سے پتہ چلتا ہے کہ ”شروع“ یا ”بشروعة“ یا ”شروعاً“ اس گھاٹ اور ننگھٹ کو کہتے ہیں جو سمندر یا دریا کے کنارے ایسی کھلی، نمایاں جگہ واقع ہو جہاں پیا سے جانور ہر وقت بلا روک ٹوک اور بے خوف خطر پہنچ سکتے ہیں۔ یا پھر۔۔۔ کھلے علاقے میں رواں دواں چشمے کے صاف شفاف، نقرے نقرے اور لطیف شیریں۔۔۔ امرت اثر۔۔۔ آبِ زلال کو کہتے ہیں۔

ان لغوی و معنوی مفہوم سے اشارہ ہے اس حقیقت کی طرف کہ شریعت اسلام کا

دامن سمندر، دریا، چشمے کے گھاٹ یا سنگھٹ کی طرح امن و سلامتی اور
فلاح و شادمانی کی برکتوں سے سیراب کرنے کے لئے ہر فرد اور ہر قوم کے لئے
ہمدرد و ارحم ہے اور پھر بھی اس کی وسعت میں ذرا سی بھی کمی نہیں آتی۔
اور پاکیزہ، رواں دواں، امرت انزابِ زلال کی طرح جسموں کو صحت و توانائی،
دلوں کو فرحت و تقویت اور دماغوں کو جلا و بالیدگی عطا کرتی ہے۔

فقہی اصطلاح میں شریعہ یا شرعہ دین اسلام کے اس ضابطہ حیات یا
راہ ہدایت کو کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے جس پر چلنے، کامزن ہونے اور قائم رہنے کا
حکم اپنے بندوں کو دیا ہے۔ امام راغب اور ابن اثیر ثابت کرتے ہیں کہ فلاح
دارین اسی شریعت کا ثمرہ ہیں، جسے اپنا کر دین و دنیا دونوں سنور جاتی ہیں۔
جر جانی کے مطابق شریعت سیدھے رکھلے اور واضح راستے۔۔۔ ”دین مبین“
کو کہتے ہیں۔ اس کے معنی ہیں اظہار و بیان کے کبھی ہیں۔ اس لحاظ سے
شریعت اس واضح راہ ہدایت۔۔۔ ”صراطِ مستقیم“ کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے
اپنے محبوب ترین رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے عالم انسانیت
کی رہنمائی کے لئے متعین فرمادیا۔۔۔ شَرَعَ اللَّهُ لَكُمْ۔۔۔ قادر مطلق نے
اپنے احکام کے ذریعہ۔۔۔ اپنے محبوب کے اقوال و معمولات کی روشنی میں۔۔۔

اس کی پوری پوری وضاحت فرمادی تاکہ شکوک و شبہات، تردد و ہچکچاہٹ کے بغیر
انتہائی اعتماد و یقین کے ساتھ اسے اپنا کرامن و سلامتی کی نعمتوں سے فیضیاب ہوتی رہے۔
۔۔۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہ شریعت اسلامیہ ایک جامع دستور، آئین اور ضابطہ حیات
کی حیثیت سے اپنی الہامی کتاب۔۔۔ **الْكِتَابُ**۔۔۔ کی شکل میں اپنے محبوب ترین،

برگزیدہ ترین رسول۔۔۔ سید المرسلین۔۔۔ امام الاولین والآخرین۔۔۔
خاتم النبیین۔۔۔ رحمت اللعالمین۔۔۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر
نازل فرمائی۔۔۔ اسی کو **الْقُرْآنُ**۔۔۔ **الْفُرْقَانُ**۔۔۔ **الذِّكْرُ** بھی کہتے ہیں۔
اس لحاظ سے احکام قرآنی اور آپ کی سنت مبارکہ کے مجموعے کا نام شریعت اسلامیہ ہے،

ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر آن، نئی شان سے اپنے مثالی، نورانی "سودہ حسنہ" کا مظاہرہ فرماتے ہوئے جیسے عالم انسانیت سے متعارف فرمایا اور تادم وصال ہی وصیت فرماتے ہوئے کہ:-

دیکھو! یہی ہے میری سنت، یہی ہے راہ ہدایت جسے اپنا کر

جس پر گامزن ہو کر فلاح و نجات کی منزل تک رسائی ہو سکتی ہے۔

حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ہٹ کر کسی اور طریقے پر چلنے کی جسارت کی، وہ کبھی بھی فلاح و نجات کی منزل کا سراغ نہیں پاسکتا۔

خلافت پیپر کسے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

اسی لئے علامہ اقبال تلقین فرماتے ہیں :-

مقامِ خوش اگر خواہی دریں دہر سخن دل بند، راہِ مصطفیٰ رو

اور اسی بنا پر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ شریعت اسلامیہ کو تشریح محمدی قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :-

"شریعت محمدی ہی دین و عقیبی کی ضامن ہے"۔ (مکتوب ۶، ذمراول)

شریعت محمدی کے مطابق اللہ اور اس کے محبوب پر ایمان ایک دوسرے کا لازمی اور تکملہ ہے۔ مرد مومن اسی ایمان کے طفیل میں اخلاص و تقویٰ کی برکتوں سے

فیض یاب ہوتا ہے۔ فرمان ایزدی ہے کہ :-

① اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ۔ (حدید: ۶)

② يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ

وَرَسُوْلِهِ (نساء: ۱۳۶)

③ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ

وَ اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهِ۔ (حدید: ۲۸)

مرد مومن کی شان یہی ہے کہ وہ قلب و قالب سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر

ایمان لاتے ہوئے ان کی اطاعت کو اپنا شعار بنا لیتا ہے وہ اپنے تنازعات و قضایا چکانے کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب ہی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اسے ہر وقت یہ خیال لگا رہتا ہے کہ کہیں آپ کے کسی حکم کی خلاف ورزی سرزد نہ ہو جائے اور اس پاداش میں اس کی ساری نیکیاں یوں خاک میں نہ مل جائیں۔ اسی لئے حکم قرآنی یہی ہے کہ:

۱۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اطِيعُوا اللَّهَ
وَاطِيعُوا الرَّسُولَ. (نساء-۵۹)
۲۔ وَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ
إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ. (نساء-۵۹)
۳۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا
الرَّسُولَ وَلَا تَبْطُلُوا عَمَّا كُنْتُمْ (محمدؐ) کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کر دو۔

ایسے ہی مرد مومن کو جنت کی بشارت دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:
وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ. (نساء-۱۳) اور یہی تو ہے ”فوز عظیم“۔ انتہائی شاندار کامیابی۔
اور اسی ”فوز عظیم“ کی خوشی میں اللہ تعالیٰ مرد مومن کے لئے اپنے نبیوں، صدیقوں،
اور شہیدوں کی معیت اور رفاقت کے انعام سے نوازتے ہوئے اعلان فرماتا ہے:
وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ
سَعِ الدِّينِ نِعْمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ. (نساء-۶۹) ہیں وہی ان لوگوں میں شامل ہو جائیں گے
جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے۔

وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا. (نساء-۶۹) اور یہ لوگ تو کیسے اچھے برگزیدہ رفیق ہیں!
ان آیتوں میں اطاعت رسول کو اطاعت حق کے تابع قرار دیا گیا ہے لیکن اسی سے
یہ حقیقت بھی عیاں ہو جاتی ہے کہ محبوب کبریٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ”اسوۂ حسنہ“ پر
چل کر ہی اطاعت حق کے تقاضوں کو پورا کرنا ممکن ہے سورۃ مائدہ کے اس عبارت
میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:

لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شُرْعَةً وَ
مِنْهَاجًا۔ (مائدہ - ۴۸) واضح شریعت اور منہاج۔ راہ ہدایت

خضریٰ کے مطابق اس آیت کی توضیح میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”شُرْعَةٌ“ سے مراد شریعتِ اسلامیہ کے قرآنی۔ اساسی۔ بنیادی احکام ہیں اور ”مِنْهَاجٌ“ سے مراد محبوب کبریٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق و فرج۔ ”صراطِ مستقیم“۔ راہ ہدایت یا آپ کا ”اسوۂ حسنہ“ ہے۔ سورۃ شوریٰ اور سورۃ زخرف میں اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کی یوں نشان دہی فرمادی ہے کہ:

آپ ہی کا راستہ۔۔۔ صراطِ مستقیم۔۔۔ سیدھا راستہ اور بس
یہی راستہ۔۔۔ صراطِ اللہ۔۔۔ اللہ کا راستہ ہے۔

اور سورۃ نساء کی اس آیت کے مطابق آپ کی اطاعت عین اطاعت حق ہے:
وَمَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ
أَطَاعَ اللَّهَ۔ (نساء - ۸۰) اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تصریح کرتے ہیں:
”رسول کو چھوڑ کر کسی غیر کی اطاعت سے خدائے عزوجل کی اطاعت
متصور نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اللہ سبحانہ نے اپنے قول فیصل کو حتمی
قرار دینے کے لئے۔۔۔ کلمہ ”قد“ شامل کیا ہے تاکہ کوئی بواہوس
ان دونوں کی اطاعت کے مابین کسی بھی طرح کا فرق قائم رکھنے کی
جسارت نہ کر سکے۔“ (مکتوب ۱۵۲، دفتر اول)

اس آیت کے مطابق مشیت حق یہی ہے اور اس کی رضا اسی میں ہے کہ
مرد مومن محبوب کبریٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کو اپنی زندگی کا نصب العین
بنالے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں!

”کمال متابعت فرع کمال محبت است بآن سرور علیہ الصلوٰۃ

والسلام۔۔۔ آن سرور علیہ الصلوٰۃ کی محبت میں ڈوبے بغیر

کمال متابعت کا تصور ہی ممکن نہیں۔ اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ هُوَ مُطِيعٌ،
عاشق وہی ہے جو ہر حال میں اپنے محبوب کا مطیع و فرمانبردار رہے۔ اس کی پہچان
یہی ہے کہ آپ کا عاشق آپ کے دشمنوں سے ”کمال بغض“ کا اظہار کرتا اور
شریعت کے مخالفوں کو اپنا دشمن سمجھتا ہے۔ عاشق تو اپنے محبوب کا دیوانہ،
والد و شیدا ہوتا ہے۔ وہ کسی بھی عذر کے بہانے آپ کے مخالفوں سے ربط و ضبط
نہیں رکھتا۔ تاہم مخالفت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (مکتوب ۱۶۵، ذکر اول)

سورہ لقوبہ اور سورہ مجادلہ کے مطابق وہ کسی حال میں بھی آپ کے
مخالفین سے دوستی نہیں کرتا، وہ اپنی جان و مال کو ہر وقت آپ کی راہ میں
قربان کرنے کے لئے تیار رہتا ہے۔ ماں باپ، آل اولاد، بھائی بہن، مال و منال
— سب کچھ آپ کی محبت کے سامنے ہیچ ہیں۔ وہ صرف اور صرف اس کلیہ پر
عمل کرتا ہے کہ اس کی آبرو و محض آپ کے نام پر قائم ہے۔

دردِ مسلم مقامِ مصطفیٰ است آبروئے ما ز نامِ مصطفیٰ است
یہی عشقِ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مرد مومن کا ”شدا ولین“ ہے۔
آپ سے والہانہ محبت نہ ہو تو پھر ”شرع دین“ کی الوہی والہامی حیثیت یکسر
ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولین عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دین بتکہ تصور آ
عشق دمِ جبرئیل، عشق دمِ مصطفیٰ
عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام
اسی عشقِ مصطفوی کو اللہ تعالیٰ اپنی مشیت قرار دیتے ہوئے اپنے محبوب

کو ہدایت فرماتا ہے:
قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ
فَاتَّبِعُونِيْ يَحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران-۳۱)
اے رسول واضح فرما دیجئے کہ اللہ سے محبت رکھنا
چاہتے ہو تو پھر میری اتباع کرو، اللہ تمہیں
اپنا محبوب بنا لے گا۔

صلحنامہ حدیبیہ سے قبل شہادتِ عثمان کی افواہ سننے ہی دینی حیثیت و غیرت سے

سرشار اصحاب کرامؓ نے ”بیعت رضوان“ کی خاطر آپ کے دست اقدس پر جس واہبانہ انداز میں بیعت کی اس سے خوش ہو کر اللہ تعالیٰ اعلان فرماتا ہے :

إِنَّ الَّذِينَ يَبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ ۗ وَاللَّهُ جَاهِلٌ لِّمَا تُكْفِرُونَ ۗ

يُدُلُّ اللَّهُ فَوْقَ أَيِّدِيهِمْ - (فتح - ۱۰) اللہ سے بیعت کی اللہ کا ہاتھ کے ہاتھوں پر ہے۔

ان آیتوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ رضائے مصطفیٰ عین رضائے حق ہے۔ عشق مصطفوی کے طفیل میں اللہ تعالیٰ اور اصحاب کرامؓ کے مابین مشیت و رضا کا یہ واسطہ یک طرفہ نہیں۔

سورہ توبہ اور سورہ مجادلہ میں اس باہمی واسطے کا اعلان اس طرح ہوا ہے :

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ (توبہ ۱۰۰، مجادلہ ۲۲) اللہ ان سے راضی ہو گیا اور اللہ سے راضی ہو گئے۔

حضرت الفثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

”یہ مقام رضا انتہائی نادر مقام ہے۔ آپ کے طفیل میں اصحاب کرامؓ کو یہ مقام پہلے ہی قدم میں حاصل ہو گیا تھا۔“ (مکتوب ۳۲، دفتر اول)

تحويل قبلہ اور میدان بدر میں نصرت ایزدی اسی رضائے مصطفوی کی کار فرمائی ہے۔

قرآنی اعلامیہ۔۔۔ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ، اسی شان مصطفوی کا کرشمہ ہے، گویا میدان بدر میں آپ تیر نہیں چلا رہے تھے، خود قادر مطلق انہیں چلا رہا تھا۔

عزم او خلاق تقدیر حق است روزی بجا تیر او تیر حق است

تسلیم و رضا کے اسی رشتہ دار کسی کا مظاہرہ تھا کہ آپ کے انگشت مبارک کے ایک اشارے سے چاند و نیم ہو جاتا ہے۔ مرد مومن یا بندہ مومن بھی کمال اتباع مصطفوی کے طفیل اسی ”مقام تسلیم و رضا“ پر فائز ہو سکتا ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر ہی ”تدبیر و تقدیر“ ہم غنیمت بنا کر ہمارے لیے کتبہ بن جاتی ہیں۔ حکیم الامت علامہ اقبال اسی حقیقت کو یوں واضح فرماتے ہیں :

بہ تھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ غالب و کار آفرین، کار کشنا، کار ساز
خاکی و نوری نہاد، بندہ مولا صفات ہر دو جہاں سے غنی، اس کا دل بے نیاز
عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے و حلقہ آفاق میں گری محفل ہے وہ

یہی عشق مصطفوی "بندۂ مومن" کو مستی کردار، فقیر غیور اور جرأت رندانہ کے جوہر عطا کر کے دنیا جہان کی تو انائیوں کا سرچشمہ بنا دیتی ہے۔ اسی عشق و مستی کی کار فرمائی تھی کہ بحرِ ظلمات کی موجیں اس کے اشاروں پر چلنے لگیں۔ یہ اسی کا کرشمہ تھا کہ صحرا و کوہسار، بحر و بر اور مہر و پرویں اس کے غلام بن گئے۔

پہرے عشق مصطفیٰ سامانِ دوست بحر و بر در گوشہ دامنِ دوست
 شیشہ اگر بسنگِ زدِ این چہ مقام گفتگوا عشق بدوش می کشد این ہمہ کو ہسار
 دو نیم ان کی کھڑکے سے صحرا و دریا سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رانی

وہ مومنانہ فراست سے اسلام دشمن قوتوں کو زیر و مستخر کرتا ہے۔ مکر و ریا، فریب و دغا پہ مبنی رو باہی حکمت عملی کو شانِ مصطفیٰ اصل اللہ علیہ وسلم کے خلاف سمجھتا ہے۔ وہ تو اپنے مولا و آقا کا دامنِ تمام کر نصرتِ الہی اور مومنانہ فراست سے اسلام دشمن قوتوں کو بے دست و پا بنا دیتا ہے۔

بے جرأت رندانہ ہر عشق ہے رو باہی بازو ہے قوی جس کا وہ عشق یدِ الہی
 دہی ہے بندۂ حر جس کی ضرب ہے کاری نہ وہ کہ حرب ہے جس کی تمام عیاری
 اسی کی نورانی بجلیوں سے قوت و عبقریت حاصل کر کے وہ دشمن پر غالب و
 قاہر رہتا ہے۔ دل و دماغ ان بجلیوں سے منور نہ ہوں تو پھر مسلمان، مسلمان نہیں رہتا،
 بولہبی اختیار کر کے کافر بن جاتا ہے۔

طبع مسلم از محبتِ تاہراست مسلم از عاشق نہ باشد کافر است
 مومن از عزم و توکل قاہراست مومن از عزم و توکل قاہراست
 بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے مسلمان نہیں را کہ کا ڈھیر ہے

یہی عشق بندۂ مومن کو کارزارِ حیات میں عملِ پیہم، بہد مسلسل یا اپنی بقا و ترقی کے لئے ہمہ دم جہاد میں مصروف رکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ جذبہ جہاد سرد پڑنے ہی، مفلوج و معطل ہو کر اپنی موت آپ مر جائے گا۔ اس لئے وہ اپنی حیات و بقا کے لئے سعی و تدبیر میں ہر وقت متحرک و منہمک رہتا ہے۔
 مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحبِ فرغ عشق ہے اصل حیات، موت ہے اس پر چراغ

وہ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ کائنات کی ہر شے کی طرح وہ بھی اپنے خالق کی قدرت و صنعائی
 کا مظہر ہے۔ اس لئے قادر مختار سے وابستگی ہی کو وہ اپنی فلاح و نجات کا ذریعہ سمجھتے ہوئے
 اسی کی خاطر سران سرگراں ہوتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ملت مسلمہ کو جو دور و تعطیل سے نکالنے، ان کی
 غربت و زبوں حالی اور تنانع و بلقاک کی دوڑ میں پوری رفتار سے متحرک رہنے بلکہ اغیار پر
 سبقت حاصل کرنے کے لئے "وحدت الشہود" کے عقیدے سے جذب و طلب
 اور سعی و تدبیر کا ولولہ پیدا کیا۔ آپ نے انتہائی نازک بحرانی دور میں ملت مسلمہ
 کی صحیح رہنمائی کرتے ہوئے واضح فرمادیا کہ کائنات کی دیگر مخلوقات و موجودات
 کے ساتھ ہمارا وجود بھی اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔ اس لئے اپنی بقا، ترقی اور مسابقت
 کے لیے اپنے منفرد تشخص کی خاطر مسلمانوں کے لئے فروری ہے کہ خالق کائنات سے
 وابستہ رہتے ہوئے اس کے الہامی احکام کی پابندی میں مسلسل سرگرم رہیں۔
 حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ
 یہ کائنات ہماری نظروں کے سامنے تو ہے۔ ہمارے تصور میں، ہمارے
 مشاہدے میں تو آتی ہے مگر اس کا خود اپنا کوئی وجود نہیں۔ یہ تو خالق کائنات کے
 کرشمہ قدرت کا مظہر ہے کہ کسی لمحہ ہمارے مشاہدے، تصور اور شعور سے
 غائب و زائل نہیں ہوتی۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ آئینے کے عکس کی طرح یہ
 بے وجود ہے، اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت سے ہمیں ہر وقت اور ہمیشہ نظر
 آتی ہے مگر یہ خود اور اس کی ہر شے قانی و حادث ہے۔ حضرت امام ربانیؒ نے
 اس تصوراتی مظاہرے و مشاہدے کو "نمود و بے نمود" سے تعبیر کیا ہے۔ "شعلہ جوآلہ"
 کی تمثیل سے آپ نے اس موقف کی معقول و ناقابل تردید وضاحت پیش کی ہے۔
 جس طرح شعلہ جوآلہ نظر تو آتا ہے مگر اس کا وجود تصوراتی و خیالی ہے شعلہ جوآلہ کا
 اپنا کوئی وجود نہیں، اصل وجود تو اس شعلہ کا ہے جس کی لہریں منعکس و منعطف
 ہو کر حلقہ یا ہالہ بناتی ہیں اور وہ بھی اسی وقت جب کوئی قوت محرکہ مثلاً کسی کا
 ہاتھ برابر انتہائی تیز رفتاری سے اُسے گھماتا رہے۔
 ہمہ از ہم تست این صورت غیر کہ نقطہ دائرہ است از سرعت غیر
 مکتوب ۹۸۔ دفتر دوم، مکتوب ۵۸، دفتر سوم۔ مکتوب ۸۹، دفتر سوم۔

حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ نے شعلہ جو آگ کی تمثیل سے قدرتِ کاملہ کی
صناعی، کاریگری، کرشمہ سازی اور کار سازی کا نقشہ انتہائی مؤثر و لطیف
انداز میں پیش کیا ہے۔ انتہائی برق رفتاری سے گردش کی وجہ سے شعلہ جو آگ کا
وجود مشاہدے میں ثابت و قائم رہتا ہے۔ مگر اپنے وجود کے لئے یہ اپنے
مخرج اور ”دستِ غیر“ کی مسلسل حرکت کا محتاج ہے۔

بالکل اسی طرح ساری کائنات اور اس کی مخلوقات و موجودات اپنے خلاق کی
مشیت پر کسی خارجی رکاوٹ و مزاحمت کے بغیر انتہائی سرعت سے مسلسل حرکت میں
ہیں اور اپنے محور سے وابستہ رہتے ہوئے اپنی اپنی جگہ پر قائم بھی ہیں۔ انسان بھی اسی
کائنات کا حصہ ہے اور اشراف المخلوقات کہلاتا ہے۔ اس لئے اسے بھی اپنی حیثیت،
صلاحیت اور استعداد کے مطابق اپنے مقام پر قائم رہتے ہوئے اسی رفتار سے
فعال و متحرک رہنا ہے۔ اور اسی پر اس کے وجود، اس کی بقا اور اس کی زندگی کا
دارومدار ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صاحبِ لولاک ہیں اور صاحبِ قابِ قوسین بھی۔ آپ
خلاصہ کائنات ہی نہیں، وجہ و غایت کائنات بھی ہیں۔ اس لئے ملتِ مسلمہ آپ کا دامن
انتہائی محبت و عقیدت سے تھام کر آپ کی منہاجِ ہدایت پر کمال ایمان و ایقان کے
ساتھ جمی رہے تو پھر نہ صرف اس نظام کائنات کی برق رفتار دوڑ میں انخیزا رہ سبقت
حاصل کر سکتی ہے بلکہ اللہ اور اس کے رسول کی راہ میں عزم راسخ کے ساتھ اسی طرح
پیہم سرگرم جہاد رہے تو پھر ساری کائنات کو مسخر کر کے اس کے تمام ذرائع و ذخائر کی
مالک بھی بن سکتی ہے ۵

جب سے سوزِ سعی پیہم نے جلایا ہے مجھے
آپڑے لعل و گہر کے ڈھیر میرے سامنے

حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ کی تحریکِ تجدید بیت کا نصب العین یہی ہے کہ

عشق مصطفوی کی تجلیات سے دنوں کو اس حد تک جلا حاصل ہو جائے کہ مسلمان
 ”بولہبی“ طریقوں اور رسموں کو چھوڑ کر صرف شریعت مصطفوی کو اپنا مقصود حیات
 بنالیں۔ بارگاہ ایزدی میں آپ نے دعا مانگی تو یہی :

”اللہ تعالیٰ ہم سب کو شریعت محمدیہ پر ثابت قدم رکھے۔ کیونکہ

یہی مقصود حیات ہے اور اسی کی اتباع پہ سعادت دارین موقوف

ہے۔“ (مکتوب ۳۳، دفتر اول)۔

ہر دور میں — امام ربانی کے دور اکبری و جہانگیری میں — اور
 اب بھی دور حاضر میں — ہمیشہ بولہبی قوتیں عاشقان مصطفوی کے ملی تشخص
 کو مٹانے میں سرگرداں رہیں — اس وقت بھی روباہ صفت دشمنان اسلام
 عیاری و مکاری کے حربوں سے لیس ہو کر کھلے عام دندناتے پھر رہے ہیں۔
 سیتزہ کار رہا ہے جہاں میں تا امروز چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی
 اس لئے امام ربانی قدس اللہ سرہ کا — مومنانہ فراست پر مبنی — یہ
 کلیہ اب بھی برحق ہے اور اسی پر عمل کر کے ملت مسلمہ اپنی نظریاتی وارہنی سرحدوں کو
 ناقابل تسخیر بنا سکتی ہے اور وہ کلیہ ہے — کفر، اہل کفر اور رواسم کفر سے
 بریت کا عہد صمیم — اور — دامن مصطفوی سے عشق و جنوں کی حد تک
 وابستگی — اسی سبق کا اعادہ کرتے ہوئے حکیم الامت علامہ اقبال فرماتے ہیں —
 یہ نکتہ پہلے سکھایا گیا کس امت کو وصال مصطفوی، فراق بولہبی
 مسلمانان عالم کو اپنا محاسبہ کرنا چاہئے کہ آیا وہ اس کلیہ کو بیکسر فراموش
 کر چکے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر اس پر کس حد تک عمل پیرا ہیں؟ اسی محاسبہ پر انکی
 زیوں عالی کا درمان مضمحل ہے — تشخیص کے بعد ہی مرض کا علاج ممکن ہے۔ اسی
 پہ ان کی بقا، ان کی سلامتی منحصر ہے۔

صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم

کرتی ہے جو ہر زمان اپنے عمل کا حساب

اور اس زبوں حالی کا واحد مددگار یہی ہے کہ شریعتِ محمدی کو حذرِ ایمان بنا کر
دینِ متین سے سرمونگ بھی انحراف کی جسارت نہ کی جائے۔ اسی سے استقلال و
استحکام حاصل کر کے بولہبی سازشوں کا توڑ کیا جاسکتا ہے۔

دینِ مسلکِ زندگی کی تقویم دینِ سر محمد و براہِ مہم

ہیں لئے :- دل در سخنِ محمدی بند اے پورِ غلی ز بو علی چند

عالمِ انسانیت کو بھی استحصالی قوتوں کے "پائے کوب" سے بچنے کے لئے
ایک ایسے ہی دستورِ حیات کی تلاش ہے جو اسے عالمگیر جوہری جنگ کے
مہلک خطروں سے نکال کر امن و سکون کا گہوارہ بنا دے۔

آدم کو ثبات کی طلب ہے دستورِ حیات کی طلب ہے

شریعتِ محمدی ہی عالمِ انسانیت کے لئے ایسا ہی منفرد دستورِ حیات ہے

جو اسے امن و سلامتی اور فلاح و شادمانی کی ضمانت دے سکتا ہے۔ شریعتِ محمدی

کی اساس قرآنِ حکیم ہے اور قرآنِ حکیم ہی ایک ایسا آئینہ کتاب ہے۔ ایک

ایسا ہی تحریری دستورِ حیات ہے۔ جس پر عمل سے، جس کی پابندی سے نہ صرف

ہر فرد بشر کی زندگی میں بلکہ قوموں کے شعور میں انقلاب برپا ہو جاتا ہے۔

منفی سوچوں کی بلغا ختم ہو جاتی ہے۔ ہوا و ہوس سے دل متنفر ہو جاتے

ہیں۔ فتنہ و فساد، قتل و غارت گری پر دماغ مائل نہیں ہوتے۔ اس

لئے نیکیوں پر عمل کرنے، نیکیاں پھیلانے کی لگن سے دل و دماغ کے دھارے

امن و سکون کے ساحل کی طرف رواں ہو جاتے ہیں۔ علامہ اقبال فرماتے

ہیں۔ میرے دل و دماغ میں جو رازِ حے سے چھپا رہا، اسے ناش

کر رہا ہوں اور وہ یہ ہے کہ قرآنِ حکیم محض ایک کتاب ہی نہیں۔ یہ تو

روح میں سرایت ہو جانے والی صدائے برحق ہے جو دل و دماغ اور عقل و شعور

کو یکسر بدل کر رکھ دیتی ہے۔ پھر تو یہ دنیا بھی ایک نئی دنیا، بالکل بدلی

ہوئی دنیا۔ عالمِ انسانیت کے لئے امن و امان کی جنت۔ بن جاتی ہے۔

ناش گویم آنچه در دل مضمراست
چوں بجاں در رفت، جاں دیکر شود

ایں کتابے نیست چیزے دیگر است
جاں چوں دیکر شد، جہاں دیکر شود

یہی وجہ ہے کہ عالم اسلام نے جب کبھی اس الوہی الہامی دستور حیات کو فراموش کرتے ہوئے شریعت محمدی سے منحرف ہونے کی جسارت کی، وہ انتشار و اختلال کے کھنور میں کھنس کر ذلت و نکبت کا نمونہ بن گیا۔ خلافت اسلامیہ کی مرکزیت ختم ہو کر رہ گئی۔ بغداد۔ پھر۔ قرطبہ۔ اور پھر۔ قاہرہ۔ تین تین مرکز محور بن گئے۔ اعدا کی بن آئی۔ اغیار کی متحدہ قوتوں کی دیرینہ آرزو بن آئی۔ اندلس میں مسلمانوں کا قتل عام اور وہاں سے انتہائی کس مہر سی میں ان کا اخراج۔ سقوط بغداد کا خونیں المیہ۔ صلیبی درندوں کی ارض فلسطین، مصر و شام پر یلغار اور وحشیانہ تاخت و تاراج۔ بلقانی و یونانی علاقوں سے عثمانی ترکوں کی صفائی۔ اور۔ برصغیر میں ۱۹۵۷ء کی جنگ آزادی، پھر ۱۹۴۷ء میں تحریک پاکستان میں سرگرم عمل ہونے کی پاداش میں بے گناہ مسلمانوں کو روندنے کی خونچکان داستان۔ ان روح فرسا المیوں کی گونج اب بھی مسلمانانِ عالم کے دلوں پہ چر کے لگا رہی ہے۔

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف
پھر قیام پاکستان سے قبل جنگ عظیم اول (۱۹۱۴ء - ۱۹۱۸ء) اور
جنگ عظیم دوم (۱۹۳۵ء - ۱۹۴۶ء) کے درمیانی عرصے اور اس کے
مابعد عالم اسلام کی رہی سہی مرکزیت ختم ہو چکی تھی۔ ایشیا و افریقہ میں اتحادی
طاقتوں کی تولیت میں چھوٹی چھوٹی اسلامی مملکتیں قائم ہو گئیں۔ فلسطین سے
مسلمانوں کو بیدخل کر کے صیہونی ریاست کا قیام (مئی ۱۹۴۸ء) بھی اسی
دور کی مغربی سیاست کا کرشمہ ہے۔

ان تباہ کن سانحوں اور المیوں کے باوجود عالم اسلام اپنی خفتہ صلحیتوں

اور قوتوں کی بدولت بدستور عالمی نقشے پر قائم و دائم ہے۔ وہ اپنے شاندار ماضی سے بھیرت و فراست کی ایمان افروز روشنی لے کر اپنی از سر نو تنظیم میں مصروف عمل ہے اور استحکام و استقلال کی شاہراہ پہ گامزن ہو کر اپنے تاباں و درخشان مستقبل کی طرف تیزی سے قدم بڑھا رہا ہے۔ عالمی کانفرنس کی تنظیم ۱۹۶۹ء میں اپنی تشکیل کے بعد سے فعال، موثر اور متحرک قوت بنانے میں تاریخ ساز کردار ادا کر رہی ہے۔

عالم اسلام کے اس منتشر شیرازے کو سمیٹنے کے لئے ہمیشہ ————— سقوط بغداد سے بہت پہلے اور بعد ازاں ————— ہر دور میں علمائے دیندار اور اولیائے مقربین مسلسل مصروف جہاد رہے۔ انھوں نے عالم اسلام کو شریعت کی تعمیل و امتثال کی راہِ نجات دکھانے اور اس پر چلنے کی دعوت دینے میں کبھی بھی، کسی موڑ پر کبھی، کسی بھی رکاوٹ یا مخالف کی پرواہ نہ کی بلکہ اپنی ساری زندگی اسلام کی راہ میں اس مقدس فریضے کے لئے وقف کر دی۔ ان کی نگرانی، سرپرستی اور رہنمائی میں مدارس، مساجد اور ان سے ملحقہ دارالافتاء وین و نفاذ شریعت کے ثانوس بن کرامت مسلمہ کی رہنمائی کرتے رہے۔ ارباب اختیار و اقتدار نے بھی ان کی خدمات سے فیض حاصل کیا۔ برصغیر پاک و ہند کے مشہور فرماں روا نیروز تعلق کے عہد (۱۳۵۱-۱۳۸۸ھ) میں ناظم بہارت تارخاں کی ایما پر مشہور فقیہ مولانا عالم بن علانے چار ضخیم جلدوں پر مشتمل فتاویٰ تارخاں کے نام سے شرعی فیصلوں اور فتوؤں کی ترتیب و تدوین کر کے عالم اسلام کی گمراہیوں پر خدمات سرانجام دیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی تحریک تجدیدیت و حقیقت نفاذ اسلام، تدوین شریعت اور تجدید سنت کی تحریک تھی۔ آپ کے مکتوبات نے جیسے عوام و خواص حتیٰ کہ ارباب اختیار میں بھی مقبول عام بنا دیا۔ اس لئے آپ کی زندگی ہی میں ہر سطح پر نفاذ اسلام کا عمل شروع ہو چکا تھا۔

شہنشاہ جہانگیر (۱۶۰۵ء - ۱۶۲۷ء) اور شاہجہاں (۱۶۲۸ء - ۱۶۵۷ء) کے عہد میں اس نیک کام میں نمایاں پیش رفت ہوئی مگر اورنگ زیب عالمگیر (۱۶۵۸ء - ۱۷۰۷ء) نے اس مقدس کام کو پارہ تکمیل تک پہنچایا۔ اس نے تنفيذی اداروں، قاضیوں اور مفتیوں کی رہنمائی کے لئے ایک جامع قانون شریعت کی تدوین پر سب سے زیادہ توجہ دی۔ پانچ جید، متبحر، دین دار ائمہ علماء و فقہاء پر مشتمل ایک مجلس مؤلفین قائم ہوئی۔ قدوۃ العلماء شیخ نظام برہان پوری اس مجلس کے صدر اور قاضی محمد حسین جوہر پوری، مولانا محمد اکرام لاہوری، سید جلال الدین محمد مچھلی شہری اور شیخ محمد وجیہ الدین گویا موی ان کے معاون مقرر ہوئے۔ لکھنؤ، دہلی، الہ آباد، ٹھٹھہ، لاہور اور بہار سے اس نیک کام میں معاونت کے لئے تقریباً پچاس علما کی خدمات حاصل کی گئیں۔ ان سب نے آٹھ سال کی کدوکاوش، تحقیق و تدقیق کے بعد ایک مستند، مبسوط، واضح اور ضخیم کتاب شریعت تیار کی جسے ہدایہ کے بعد مستند سمجھا جاتا ہے۔ اسلامی شریعت پر اس سے مفصل کوئی اور کتاب ابھی تک موجود نہیں۔ تاریخ میں اسے "فتاویٰ عالمگیریہ" یا "فتاویٰ ہندیہ" کے نام سے سند قبولیت حاصل ہوئی۔ اسی کے بعد ترکی میں بھی دولت عثمانیہ کی سرپرستی میں شریعت اسلامیہ کی تنفيذ کے لئے مجلس علماء کے قانون (۱۸۶۹ء - ۱۸۷۶ء) نے ایک ایسی رہنما کتاب "المجلة الاحکام العدلیہ" کے نام سے مدون کی جو تاریخ میں المجلہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ عالم اسلام میں قانون شریعت پر اسے بھی ایک مستند اور جامع کتاب تسلیم کیا جاتا ہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد برصغیر میں ملت مسلمہ کے تشخص کو مٹانے کی درپے، اغیار کی متحدہ قوتیں صرف اس لئے ناکام رہیں کہ دیندار، حق پرست علماء و مشائخ پیراغ مصطفوی کو روشن رکھنے کے لئے سینہ سپر ہو گئے۔ انھوں نے لعن لعن، سب شتم کی پرواہ کئے بغیر قرار داد پاکستان

۱۹۴۷ء کو عملی شکل، حقیقی روپ دینے کے لئے بابائے قوم قائد اعظمؒ کا ساتھ دیا۔
آخر کار ۱۳ اگست ۱۹۴۷ء کی مبارک ساعتوں میں عالمی افق پر پائندہ و تابندہ
رہنے کے لیے پاکستان قائم تو ہو گیا مگر اسوہ مصطفویٰ کی حکمرانی اس
ملکت خداداد میں قائم نہ ہو سکی۔

پھر بھی یہ غیور دین دار ہستیاں نا امید نہیں ہوئیں۔ یہ ان کی
مساہی جمیلہ کا ثمرہ ہے کہ قرارداد مقاصد (مارچ ۱۹۴۹ء) اور علمائے کرام کے
متفقہ ۲۲ نکات (جنوری ۱۹۵۱ء) اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کا آئینی
حصہ بن گئے۔ ۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفیٰ اصلی اللہ علیہ وسلم کے نتیجے میں
تدوین و نفاذ شریعت کی راہ میں قابل تحسین، مؤثر پیش رفت ہوئی ہے اس لئے
یہ بات یقینی نظر آتی ہے کہ پاکستان جو اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا، وہ اسلام
کے نام پر قائم رہے گا۔ وہ دن دور نہیں جب یہ نظریاتی مملکت پاکستان
— اسلامی معاشرے کی تشکیل اور نظام مصطفویٰ کے عملی نفاذ سے
عالم اسلام کے لئے قابل رشک، باعث تقلید بن کر دولت سرمدی سے
مالا مال ہو جائے گی۔ مگر شرط اولین یہی ہے کہ اس کے عوام و خواہ
کے دل فقر غیور سے پاکیزہ و مصفا ہو کر عشق مصطفویٰ سے روشنی حاصل
کرتے رہیں۔

خوار جہاں میں کبھی ہونہیں سکتی قوم عشق ہو جس کا جسوز فقر ہو جس کا غیور
اور ساتھ ہی اہل نظر، اہل دل — صاحب بصیرت صاحب فراست
مرد مومن کی رہنمائی بھی حاصل ہو گی تو تک — دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے میرا۔
اسی لئے حکیم الامت تلقین کرتے ہیں:

پرورش دل کی اگر پیش نظر ہے تجھ کو مرد مومن کی نگاہ غلط انداز ہے بس
دیں مجو اندر کتب اے بے خبر!
علم و حکمت از کتب، دین از نظر

اور اس بندہ مومن سے رہنمائی حاصل کرنا از بس لا بدی ہے جو مجدد ہی نہیں۔۔۔ مجدد الف ثانی ہو۔ اس لئے اس موجودہ الف۔۔۔
 ”دوسرے ہزارہ“ میں ملت مسلمہ کے تمام درپیش مسائل کا حل آپ کے مکتوبات میں مل جاتا ہے۔ اس بات کا ثبوت یہ ہے کہ آپ کے مکتوبات کی روشنی میں نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی نفاذ اور قوانین شریعہ کی تدوین کے لئے اس کتاب میں جو ضابطہ شریعت دیا گیا ہے، اس پہ چل کر ارباب اقتدار و صاحب اختیار، علماء و مشائخ، مفکر و دانشور، اہل تدبیر و سیاست۔۔۔ عوام و خواص۔۔۔ اس راہ میں۔۔۔ بولہبی قوتوں کی ناپاک سازشوں سے۔۔۔ حائل رکاوٹیں دور کر کے گوہر مقصود حاصل کر سکتے ہیں۔ پھر تو انھیں قدرت اس ”بندہ مومن“ کے جوہر بھی ودیعت کر سکتی ہے جو۔۔۔

دنیا میں محاسب ہے تہذیب فسون گر کا
 ہے اس کی فقیری میں سرمایہ سلطانی
 لیکن عالمی احتساب و محاسبے کا یہ اعزاز خود مصطفیٰ سے سزاوار سے
 بچتے ہوئے آئین شریعت کی دالہانہ انداز میں پیروی سے ہی ملتا ہے۔۔۔ نہ کہ
 اسے زندگی کا جنجال سمجھ کر:
 شکوہ سنج سختی آئیں مشو از حدود مصطفیٰ بیروں مرد
 اور پھر۔۔۔ مہ و پرویں ہی نہیں۔۔۔ ساری کائنات اسی آئین کی برکتوں
 سے مسخر ہو سکتی ہے۔۔۔
 ہر کہ تسخیر مہ و پرویں کند خویش را از بخیری آئیں کند

۲۲ کتابیات

مصنف	کتاب	مصنف	کتاب
۱- الآمدی	احکام الاحکام فی اصول الاحکام	۲- ابن اثیر	النهاية
۳- ابن عربی	احکام القرآن	۱۹- الزرکشی	البرهان
۴- ابن قتیبہ	تاویل مشکلی القرآن	۲۰- سید قطب	فی علوم القرآن
۵- ابن منظور	لسان العرب	۲۱- السیوطی	فی ظلال القرآن
۶- احمد حسن خلیل	فقہ الاسلام	۲۲- شاہ نواز خان	الاتقان فی علوم القرآن
۷- احمد خلیل	فی التشریح الاسلامی	۲۳- شادولی اللہ	مآثر الامرا
۸- بختاور خان	مرآة العالم	۲۴- شیخ احمد سرمد	انفاس العارفين
۹- بدران	اصول الفقہ	۲۵- عبدالقادر مودودی	مکتوبات امام ربانی
۱۰- سھانوی	کشاف اصطلاحات	۲۶- عبد النبی	التشریح الجنانی الاسلامی
	الفنون	۲۷- علی شیر قانع	دستور العلماء
۱۱- البحر جانی	کتاب التعریفات	۲۸- القرطبی	تحفة الکرام
۱۲- البحر جانی	الصحاح	۲۹- کنزہ	الجامع الاحکام
۱۳- خانی خان	منتخب اللباب	۳۰- المحمصانی	عمل صالح
۱۴- الخضری	ما یخ التشریح الاسلامی	۳۱- محمد اقبال	مقدمہ فلسفہ التشریح
۱۵- راغب	المفردات القرآن		الاسلام
۱۶- رحمن علی	تذکرہ علماء ہند		کلیات اقبال
۱۷- زبیدی	تاج العروس		اردو، فارسی
۱۸- الزرقانی	مناہل القرآن	۳۲- محمد کاظم	عالمگیر نامہ
	فی علوم القرآن		

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
مُحَمَّدٌ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

مکتوباتِ امامِ ربانیؒ بحیثیتِ ماخِذِ پیمانہ

پسے منظر

امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت ابوالبرکات بدرالدین شیخ احمد سرہندی نقشبندی قدس اللہ سرہ نہ صرف برصغیر پاک و ہند بلکہ عالم اسلام کے وہ بطل جلیل ہیں جو تادمِ آخریں "اعلائے کلمۃ الحق" کی خاطر سربکف ہو کر باطل کے فرعونِ طاغوتی طاقتوں سے نبرد آزما رہے۔ ایمانِ فردوش، جاہ پرست مذہبی ٹھیکیداروں نے آپ کے خلاف سازش کا جان بچھا کر جہانگیر جیسے نام تہراد عادل شہنشاہ کے ہاتھوں قید و بند کی اذیتوں اور لعنہ بوں کا ہدف بنایا۔ جہانگیر استبدادیت و استعماریت کا پیکر تھا۔ اپنی خود پرستی کی دور بین سے دیکھتا ہے تو خود مجددِ اعظم خود پرست نظر آتے ہیں۔ زمین بوسی سے انکار فرماتے ہیں تو "شوریدہ سر" اور "اشفتگی دماغ" قرار دیکر اتہام باندی پر اتر آتا ہے اور اصلاح و تادیب کی خاطر آپ کو قلعہ گوالیار میں مقید کر کے اپنی انا کو ٹھنڈک پہنچانے کی ناکام کوشش کرتا ہے۔ اپنی تزک میں جلوس سال چہار دہم کے واقعات تحریر کرتے ہوئے اقرار کرتا ہے کہ:

صلاحِ حال منحصر دریں دیدم کہ روزے چند در زندانِ ادب
محبوس باشد تا شوریدگی مزاج و اشفتگی دماغش قدرے تسکین
پذیرد و شورشِ عوام نیز فرو نشیند۔ لاجرم بہ انی رائے سنگدلین
زال شد کہ در قلعہ گوالیار مقید دارد (۱)

جہانگیر منفی سوچ رکھتا ہے۔ اس لیے آپ کی شخصیت کو اپنی انا کے سامنے

میں ڈھالنے کا ناپاک منصوبہ بناتا ہے۔ لیکن حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ صہر فقیر اور تسلیم درضائے ایزدی کے سانچے میں ڈھل کر اسلامی شعار کا ایسا مسخو رکھن نمونہ پیش کرتے ہیں کہ قلعہ گوالیار کا مجلس احيائے دین اور تجدید سنت کا تبلیغی گڑھ بن جاتا ہے۔ تو پھر سنت سینہ کی باران رحمت سے کفر و باطل کی ظلمتیں چھٹ جاتی ہیں اور دین و ایمان کی روح پرور بالیدگی سے ساری فضا نکھری نکھری، ستھری ستھری سی نظر آنے لگتی ہے۔ خود آپ میر محمد نعمان کو تحریر فرماتے ہیں کہ۔۔

الحمد لله کہ اس نے عین بلا میں اس عاجز کو عافیت بخشی، جفا کی حالت میں اپنے کرم سے نوازا اور حالت محن میں حسن سلوک کا مظاہرہ فرمایا، عطائے شکر کی توفیق عطا فرمائی اور متابعت انبیا۔
(حضرت یوسفؑ) کا شرف بخشا (۲)

آپ نے احيائے دین اور تجدید سنت کا فریضہ بڑے ہی کھٹن حالات میں سرانجام دیا۔ مسلمانان برصغیر کی کس مہم سہی اور بے بسی کا عالم یہ تھا کہ مجال ہے وہ شعار اسلام کا مظاہرہ کرتے ہوئے لہا خدا میں گائے کی قربانی دے سکیں یا رو اسم کفر و شرک کی بر ملا مذمت و ابطال کے لیے کوئی قدم اٹھا سکیں حد یہ ہے کہ اگر کوئی بیچارہ مسلمان اس قسم کی جرأت کر بیٹھتا ہے تو پھر اسے جان سے ہاتھ دھونا پڑتا۔ لالہ بیگ کو غربت اسلام، "کا احساس دلاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

غربت اسلام نزدیک بیک قرن است، برہنہ قرار یافتہ است کہ اہل کفر بجز اجرائے احکام کفر بر ملا در بلاد اسلام راضی نمی شوند۔ می خواہند کہ احکام اسلام بالکل زائل گردند و اثر از مسلمانان و مسلمانان پیدا نشود۔ و کارہاتایاں سرحد رسانیدہ اند کہ اگر مسلمانان از شعار اسلام اظهار نماید بقتل می رسد۔ ذبح بقبرہ در ہندوستان

از اعظم شعا ر اسلام است، کفار بجز یہ وادن شاید راضی شونند، اما

بئس بقرہ برگز راضی نہ خواہند شد“ (۳)

ملا عبدالقادر بدایونی نے ”منتخب التواریخ“ میں اور ابوالفضل نے آئین اکبری میں جو کچھ لکھا ہے اس سے آپ کے بیانات کی تصدیق ہوتی ہے۔ وینڈٹ اسمتھ نے اپنی تصنیف ”اکبر“ میں بھی یہی کچھ تحریر کیا ہے۔ پرتگیزی پادریوں نے بھی اپنے دور کے برصغیر میں مسلمانوں کی زبوں حالی پر اسی انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ خود شاہجہان نے اپنی تزک میں اپنے جلوس کے پندرہویں سال کے حالات بیان کرتے ہوئے اعتراض کیا ہے کہ مسلمان تانہنوز ایام جہالت کی رسموں میں پھنسے ہوئے ہیں۔

”زمینداران ایں جارا جہ می گویند۔ سلطان فیروز مسلمان کردہ
ومع ذالک خود راجہ می گویند و ہنوز بدعتہائے ایام جہالت
در میان آنجا مستمر است“

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں ہنود پرست بلا جھجک کفر و الحاد پھیلا رہے تھے۔ روافض الگ ادھم مچا رہے تھے۔ انہیں اس قدر نفوذ حاصل ہو گیا کہ ان کی شہ پر خطبوں سے خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نام تک نکال دیئے گئے اور ان کی تنقیص و تبرا کی محفلیں برسر عام منعقد ہونے لگیں۔ قصبہ سامانہ کے قاضیوں اور ریشیوں کو سرز لش کرتے ہوئے حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ لکھتے ہیں کہ آخر کیوں عید الاضحیٰ کے خطبے سے خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسمائے مقدس اور ان کے ذکر یا برکت کٹھن کر دیا گیا ہے اور اس حرکت شیعہ پر کیوں خاموش مہربلب بیٹھے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ

”ایک شنیدہ شد کہ خطیبان مقام در خطبہ عید قربان ذکر خلفائے
راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم ترک کردہ و اسمی متبرکہ ایشان را نہ

خواندہ و نیز شنیدہ شد کہ چوں جمعے باو تعرض نمودند، بسہو و نسیان
خود اعتذار ناکردہ بہ مرد پیش آمد گفتہ کہ چہ شد اگر اسامی خلفائے
راشدین مذکور نہ شدہ۔ و نیز شنیدہ کہ اکابر و اہالی آل مقام دین
باب مساہلہ و زیدند و بر شدت و غلظت بآں خطیب بے انصاف
پیش نہ آمدند۔ (۴)

خود اہل سنت کے جاہ پرست اور خود غرض علماء، اپنے اپنے مدارج کی
خوشنودی کی خاطر غیر شرعی رسموں کے گھڑنے میں ایک دوسرے پر گوتے سبقت
لے جانے میں ممکن نظر آتے ہیں۔ حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ ایسے علماء
کو ”علمائے سو“ یا علمائے دنیا قرار دیتے ہیں۔ آپ کے نزدیک ایسے بے عمل
عالم اس ”پارس پتھر“ کی طرح ہیں جو تانبے یا لوہے کو تو سونا بنا دیتا ہے مگر خود
پتھر ہی بنا رہتا ہے۔ خود کو دینی پیشوایا مقتدا سمجھتے ہیں مگر ہیں ”لصوص
دین“ یہ تو شیطان کے گروہ میں شامل ہو گئے ہیں اور شیطان کا گروہ
خسران ہی میں رہتا ہے (۵)

نقلی پیروں اور جاہل صوفیوں کا بھی یہی عالم ہے۔ فرماتے ہیں کہ
واکثر جملائے صوتی نمائے این زمانہ حکم علمائے سودا رند۔

فناد اینہا نیز فساد متعدی است (۶)

کفر و کافری کے غلبے نے مسلمانوں کو بے دین، گمراہ، ملحد، اور دہریہ بنا
دیا تھا۔ وہ ہولی دیوالی اور نوروز بڑی شان سے منانے لگے۔ رکشا بندھی
سے دل بہلانا ان کا محبوب مشغلہ بن گیا۔ لامائن و مہا بھارت کی دیو مالائے
کہانیاں حرز ایمان بن گئیں۔ وید اور اپنشد کے فلسفے کی چھاپ نے انہیں دین
سے بے بہرہ بنا دیا۔ مسلم خواتین ہندوانی رسموں میں گھر گھر ”ضروریات دین“ کو
یکسر بھلا بیٹھیں۔ حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ بڑے دکھ سے فرماتے ہیں کہ۔
بتوں سے حاجت روائی کے لیے رجوع ہونا، گویا اللہ تعالیٰ

سے انکار کرنا ہے۔ اور یہ دیکھا گیا ہے کہ اکثر مسلمان خواتین جہالت کے مارے اس قسم کی استمداد و استعانت میں مبتلا ہیں خاص طور سے چھک کے مرض میں یہ مراسم شرک ادا کرتی ہیں۔ شاید ہی کوئی ہوگی جو اس شرک میں مبتلا نہ ہو (۷)

ایسے کفر و الحاد کے ماحول میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے احيائے دین اور ترویج سنت کا بیڑا اٹھایا۔ حق کی خاطر قید و بند کی صعوبتیں جھیلیں مگر استعماریت کے آگے سرنگوں نہیں ہوئے۔ اُلٹے جہانگیر جیسے ہٹ دھرم کی اکڑی ہوئی گردن خدائے برحق کی بندگی میں اس قدر جھکاوی کہ وہی دین کی خاطر سرگرم عمل نظر آتے لگی۔ اس شان مجددی کو نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہوئے علامہ اقبال فرماتے ہیں ۵

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احسار
وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہباں
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

آپ نے احيائے شریعت اور تجدید سنت کے لیے علمائے کرام اور بااثر جہانگیری امراء کی خدمات حاصل کیں ۱۳۹۸ء میں تیموری یلغار کے بعد ملت مسلمہ کی تبلیغ و اشاعت کی گرمیاں معطل ہو کر رہ گئیں۔ اس کے اجتماعی نظام کا شیرازہ جو بکھرا تو پھر دوبارہ بحال ہونے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے از سر نو ایک مربوط، موثر اور متحرک تبلیغی نظام قائم فرمایا، جس کے تحت آپ نے (۱) اپنے خلفاء کو برصغیر کے اہم سیاسی، عسکری اور دینی مرکزوں پر اسلامی قدار کی تبلیغ و تعلیم کے لیے مامور فرمایا۔

(۲) ہم مسلک علماء و مشائخ کو اپنے اپنے حلقہ اثر میں اسلامی عقائد و احکام کی تبلیغ و تدریس کا اہتمام کرنے کی ہدایت فرمائی۔ قاضیوں اور مفتیوں کو بھی اسی نوع کے فرائض سونپے گئے۔

(۳) عقیدت مند جہانگیری امیروں اور منصب داروں سے بھی نفاذ شریعت کا اہم ترین کام لیا۔ انہیں ہدایت فرمائی کہ علمائے حق کی خدمات حاصل کر کے اپنی نگرانی میں اجتماعی حلقہ درس کا اہتمام کریں۔ نیز جب بھی شاہی دربار میں حاضری دیں، موقع ملتے ہی شہنشاہ کی توجہ نفاذ شریعت پر مبذول کراتے رہیں۔ مکتوبات میں ان عقیدت مند امراء کی دینی خدمات کو سراہتے ہوئے نفاذ شریعت کا خاطر ان کی کد و کاوش پر خراج تحسین پیش کیا ہے (۸)

(۴) مسلمان عورتوں کی تعلیم و تلقین کے لیے عقیدت مند صالحہ خواتین کو مامور فرمایا

(۵) خود آپ بھی نمونہ عمل بن کر تبلیغی جہاد میں سرگرم عمل رہتے۔ یہ جہاد بالنفس

بھی تھا اور جہاد بالقلم بھی، یہ جہاد لسانی بھی تھا اور قابل بھی۔ قید خانہ ہویا لشکری

جلوس، دربار شاہی ہویا خانقاہ درویشی ہر جگہ تعلیم و تبلیغ میں متہمک نظر آتے۔

(۶) عقائد و فقہ کی تعلیم تدریس کیلئے عقیدت مند امراء، خلفا اور علما کو مشہور و مستند

کتاپیں ارسال فرمائیں۔ عقائد و تصوف پر رسائل و کتب تحریر فرمائیں۔ مثلاً

معارف لدنیہ، مکاشفات عینیہ، آداب المریدین، تعلیقات عوارف، رسالہ مبداء و معاد

رسالہ تہلیلہ، رسالہ فی اثبات النبوة اور شیخ المشائخ حضرت خواجہ باقی باللہ کی

رباعیات کی شرح۔

(۷) آپ نے تبلیغ دین، نفاذ شریعت، احیائے سنت، عقائد صحیحہ، اعمال صالحہ

احکام فقہ، سلوک و معارف اور طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی دینی افادیت پر جامع

اور مدلل مکتوبات ایسے عقیدت مند امراء، علماء، مشائخ، خواتین حتیٰ کہ اہل ہنود

کو بھی ارسال فرمائے۔ ان خطوط کی کتابت اور ان نسخوں کی نقلیں تیار کرنے اور انہیں

بے سرف بر صغیر کے تبلیغی و تدریسی مرکزوں بلکہ عالم اسلام کے اہم دینی حلقوں کو

اس کے ذریعہ لاکھوں لوگوں کو پہنچانے کا بھی باقاعدہ اہتمام کیا گیا

مکتوبات امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ

تعارف

مکتوبات امام ربانی تین دفاتر پر مشتمل ہیں۔ ان مکتوبات کی کل تعداد، پانچ سو چالیس (۵۴۰) ہے۔ پروفیسر محمد فرمان نے ان تینوں دفتروں کے ترتیب و تدوین پر زبدۃ المقامات کے حوالے سے روشنی ڈالی ہے (۹)۔ زبدۃ المقامات کے مطابق دفتر اول انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور جنگ بدر کی مناسبت سے تین سو تیرہ مکتوبات پر مشتمل ہے۔ اسے آپ کے خلیفہ مولانا یار محمد بدخشی طالقانی نے ۱۲۵۰ھ میں مرتب کیا اور تاریخی نام ”دارالمنیر“ رکھا۔ پھر آپ کی ہدایت پر اس میں وہ تین عریضے اور بھی شامل کر دیے گئے جو حضرت محمد صادق مرحوم نے آپ کی خدمت میں ارسال کیے تھے۔

دفتر ثانی اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کی مناسبت سے ننانوے مکتوبات پر مشتمل ہے اسے عبدالحمیدی چاکر حصاری نے ۱۲۸۰ھ میں مرتب کر کے تاریخی نام ”نور الحقائق“ رکھا۔

دفتر ثالث کے ابتدائی تیس مکتوبات آپ کے محبوب خلیفہ میر بزرگ محمد نعمان بدخشی نے مرتب کیے پھر آپ کی گرفتاری کے دوران اس دفتر کے تدوین عارضی طور پر ملتوی رہی۔ آپ کی رہائی کے بعد باقی مکتوبات بھی میر شمس الدین علی نے ترتیب سے ایک بیاض میں محفوظ کر لیے۔ اسی دفتر کے مکتوب اول سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی ترتیب و تدوین میر محمد نعمان بدخشی کی نگرانی ہی میں مکمل ہوئی۔ اسی مکتوب میں آپ نے ہدایات صادر فرمائیں کہ مکتوبات کے کسی نسخے تیار کر کے ایک نقل سر ہند بھیج دی جائے اور مسودات کو

احتیاط کے ساتھ سنبھال کر رکھا جائے تاکہ بوقت ضرورت ان سے استفادہ کیا جاسکے (۱۰)

دفتر سوم تین اعتبار سے لفظ ”باقی“ کی مناسبت سے ایک سو تیرہ مکتوبات پر مشتمل تھا (اول) یہ لفظ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ سرہ کی یاد دلاتا ہے (دوم) ان مکتوبات کے معارف تاقیامت باقی رہیں گے اور سوم یہ ”مقابلہ“ کی طرف اشارہ ہے۔ پھر بطور ”مسکتہ الختام“ ایک اور مکتوب شامل کر کے قرآنی سورتوں کے مطابق ان کی کل تعداد ایک سو چودہ ہو گئی۔ یہ آخری خط علوم و اہلکار غریبہ کا ختمینہ ہے۔

دفتر سوم کا تاریخی نام ”معرفة الحقائق“ ہے۔ اس کی تکمیل کے بعد دفتر چہارم کی تدوین کا کام شروع ہوا۔ ابھی چودہ مکتوبات ہی جمع ہوئے تھے کہ آپ واصل بحق ہو گئے۔ اس لیے یہ بھی دفتر سوم میں شامل کر دیے گئے۔ اس طرح دفتر سوم ایک سو اٹھائیس مکتوبات پر مشتمل ہے۔ لیکن مطبع نول کشور کے مطبوعہ دفتر سوم میں صرف ایک سو تیس مکتوبات ہیں۔ (۱۱) قاضی عالم الدین نے مکتوبات کے تینوں دفاتر کا باجا اور ترجمہ کر کے گرانقدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ انہوں نے دفتر سوم میں صرف ایک سو چوبیس مکتوبات شامل کئے ہیں۔ اردو زبان میں مکتوبات کے یہ تینوں دفاتر، جس کے مترجم قاضی عالم الدین ہیں، ملک محمد عارف ندین محمدی پریس لاہور سے شائع کئے ہیں۔ مولانا نسیم احمد فریدی امر دہوی نے بھی ”تجلیات ربانی“ کے نام سے ان مکتوبات کی تلخیص و ترجمے کی سعادت حاصل کی ہے جنہیں مکتبہ سراجیہ نے شائع کیا ہے۔

مکتوبات امام ربانی مولانا نور محمد نقشبندیؒ کے حواشی کے ساتھ سن ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئے تھے (۱۲) احقر نے امرتسر سے شائع شدہ دفتر دوم (دو حصے) کے ایسے نسخے کا مطالعہ بھی کیا ہے جس کے آخر میں کاتب نے اختتام کی تاریخ ۱۳۳۲ھ تحریر کی ہے یہ روز بازار پریس سے مولانا نور احمد کے

حواشی کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ ڈاکٹر فضل الرحمن سابق ڈائریکٹر ادارہ تحقیقات اسلامی پاکستان نے ”انتخاب مکتوبات شیخ سرہندی“ کے نام سے ساٹھ مکتوبات کا مجموعہ اپنے مقدمے کے ساتھ شائع کیا ہے۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ صاحب صدر شعبہ اردو، سندھ یونیورسٹی نے بھی ان مکتوبات کی اشاعت میں گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں جو صرف ان پر توضیحات و حواشی بھی مرقوم فرمائے ہیں۔ چونکہ آپ اہل دل اہل نظر متبحر عالم و دانشور ہیں اس لئے آپ کی رہنمائی میں ان مکتوبات سے کما حقہ استفادہ کی سعادت حاصل ہو جائے تو اسے نعمت عظمیٰ سمجھنا چاہئے۔

ڈاکٹر پروفسر محمد سعید احمد صاحب نے سیرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے ایک مبسوط و جامع کتاب تحریر فرمائی ہے۔ اسی کتاب میں مکتوبات کی تدوین و اشاعت، ان کے تراجم و حواشی پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔ اور ان شرعی عقائد و مسائل و مسائل و تصدیق کے نکات و مباحث کی توضیح بھی کی گئی ہے جنہیں مکتوبات کے موضوعات کی حیثیت حاصل ہے۔

عالم اسلام پر حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ کے اس ناقابل زلموش احسان کو سراہتے ہوئے پروفیسر محمد فرمان لکھتے ہیں کہ۔

”آپ کی دو کرامتیں دنیا کے لیے بڑے فیوض کا باعث ہوئی ہیں۔ ایک آپ کی نیک صالح اولاد ہے؛ دوسری کرامت جناب کے یہ مکتوبات ہیں جن کے مطالعے سے آپ کی علمیت، معرفت، خلوص اور شرع کی پابندی کا ایک ایسا حسین دلکش اور مستحکم منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے جس سے پڑھنے والا اپنے دل میں ایک سرور و سوز محسوس کرتا ہے اور اپنے مزاج و افعال میں نمایاں تبدیلی پاتا ہے۔“ (۱۳)

مکتوبات امام ربانیؒ کی اہمیت

مکتوبات امام ربانیؒ دینی، تاریخی اور سیاسی اہمیت کے حامل ہیں۔ تاریخ کے طالب علموں کی نظریں اکبری و جہانگیری دور کی سیاسی و مذہبی حالت پر یہ مکتوب مستند اساسی ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہیں علمی و ادبی شہ پارہ بھی کہا جاسکتا ہے۔ ان کی اہمیت کا اندازہ صرف اس حقیقت سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کی زندگی ہی میں انہیں بڑی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی۔ اتنی قدر و منزلت ملی کہ نہ صرف برصغیر بلکہ عالم اسلام کے علمی، ادبی اور روحانی مرکزوں میں ان کے نسخے بڑی تیزی سے پھیل گئے۔

ان مکتوبات کا انداز علمی بھی ہے اور عالمانہ بھی، استدلالی بھی ہے اور عارفانہ بھی۔ اسلوب بیان موثر و مدلل، زبان انتہائی شیریں، دل نشین اور شائستہ ہے۔ وعظ و تلقین، انشاء و خطابت کی تمام خوبیوں کا مرقع ہیں اور اس میں ان کی معقولیت اور مقبولیت کا راز پوشیدہ ہے۔

مکتوبات ماخذ ایمانیات کی حیثیت سے

مکتوبات امام ربانیؒ رحمۃ اللہ علیہ کو مثنوی مولوی معنوی کے بعد حقائق و معارف کا سرچشمہ سمجھا جاتا ہے، لیکن اس سے بھی بڑھ کر اسلامی عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاقیات کا خزینہ ہیں۔ یہ مکتوبات اصول عقائد اور اصول فقہ

کو مد نظر رکھتے ہوئے تبلیغی انداز میں لکھے گئے ہیں۔ اس لیے بنیادی طور پر ایمانیات کے اہم ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں اگر ایک طرف کفر و اسلام، شرک و الحاد اور رخص و زندقیت پر روح پرور بحث کی گئی ہے۔ تو دوسری طرف عقائد صحیحہ، اعمال صالحہ اور تزکیہ نفس پر مشتمل ایک جامع، مربوط، آسان اور قابل عمل ضابطہ شریعت بھی پیش کیا گیا ہے۔ تبلیغ کے شرائط اور مبلغوں کے فرائض کے ساتھ ساتھ طریقہ عالیہ لقت بندہ کے مطابق سلوک و معارف کے اسرار بھی نہایت ہی لطیف پیرائے میں بیان کیے گئے ہیں۔ اس لحاظ سے انہیں ایمانیات و روحانیات کا گنجینہ سمجھنا چاہیے۔

ایمانیات

مفہوم ○ غایت ○ موضوع

عام اصطلاح میں اجزائے ایمانی یا اسلام کے بنیادی عقائد کو ایمانیات کہتے ہیں لیکن ایمانیات کو ایک علم اور فن کی حیثیت بھی حاصل ہے۔ اسے علم العقائد بھی کہتے ہیں۔ ایمانیات ایک ایسا علم ہے جس میں اصول اعتقاد یہ سے اس نیک مقصد کو سامنے رکھ کر بحث کی جاتی ہے کہ قانون شریعت کے مطابق تحصیل اسلام میں مدد مل سکے۔ چونکہ علم کلام میں شریعت کے ماخذ اولہ تفصیلیہ کی رہنمائی میں عقائد کی معرفت حاصل کی جاتی ہے۔ اس لیے بسا اوقات دونوں کو مترادف سمجھا جاتا ہے۔ ایمانیات میں نہ صرف اصول اعتقاد یہ کا مطالعہ کیا جاتا ہے بلکہ ان کی روشنی میں احکام شریعت کا جائزہ بھی لیا جاتا ہے۔ خارجی، معتزلی اور رافضی فرقوں کے عقائد باطلہ اور اہل سنت و جماعت کے عقائد صحیحہ کے درمیان امتیاز و فرق ظاہر کرنے اور اعمال صالحہ اور احکام شرعیہ کی نشان دہی کی غرض سے ایمانیات کے علم پر توجہ دی گئی۔ علم ایمانیات اصل اصول اسلام ہے۔ اس کی حقیقی غایت اصولی عقائد حقیقہ کی

نشان دہی ہے۔ غیر ناجی فرقوں کے باطل اعتقادات کے رد و ابطال کو اس میں
ثانوی حیثیت حاصل ہے۔ اہل سنت کے فقہائے دیندار اور علمائے حق نے قرآن،
سنت، آثار صحابہ رضی اللہ عنہم، اجماع قیاس اور آثار سلف صالحین سے جو عقائد
صحیحہ اور احکام شرعیہ مستنبط کر کے مدون کئے ہیں انہیں برحق ثابت کرنا بھی علم
ایمانیات کا ایک اہم مقصد ہے۔

علم ایمانیات کی اہمیت

علم ایمانیات کے بغیر برحق اور باطل
عقائد کے درمیان تفریق و امتیاز
قائم رکھنے میں الجھنیں پیدا ہوتیں اور غیر ناجی فرقوں کے فاسد عقائد اسلام کے
اصلی روح کو الودہ بنا دیتے۔ علامہ تفتازانی کے مطابق اس علم کی بدولت
عقائد باطلہ سے ایمان منزہ و پاکیزہ رہتا ہے۔ ہوائے نفسانی سے قلب و نفس
کی تطہیر ہو جاتی ہے اور اعمال صالحہ کو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق
صحیح طریقے سے سرانجام دینے میں رہنمائی ملتی ہے تاکہ ہم قلاح سرمدی اور
نجات اخروی کی برکتوں اور نعمتوں سے فیضیاب ہو سکیں۔ اس طرح ایمانیات
کی اصل غایت حصول سعادت داریں ہے

ایمانیات کا موضوع

ایمانیات کا موضوع عقائد و اصول عقائد کے
علاوہ فقہی احکام اور اصول فقہ بھی ہیں، اس
لحاظ سے ایمانیات کا موضوع خود شریعت عتر ہے۔ ایمانیات میں اہل سنت و جماعت
کے عقائد کے مطابق شرعی احکام پر منقولات و معقولات کی مدد سے دلائل و برہین
کے ساتھ بحث کی جاتی ہے۔ اس طرح ایمانیات کا اصل مقصد فرقہ ناجیہ کے عقائد
اور ان کی حقانیت کی تبلیغ و اشاعت ہے۔ اسی کے ساتھ غیر ناجیہ فرقوں کے ابطال
ور دین مسکت دلائل پیش کر کے دین حق کی سرفرازی و سر بلندی کو ایمانیات
کا "مقصود مقدس" سمجھا جاتا ہے۔

ایمانیات اور علم کلام

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق علم کی دو قسمیں ہیں، اول علم فقہ، دوم علم کلام، حضرت شیخ بخاری کو تحریر فرماتے ہیں کہ
 کلام دو قسم است، علمے است کہ مقصود ازاں عمل است کہ علم فقہ متکفل آنت۔ و علمے است کہ مقصود ازاں مجرد اعتقاد و یقین قلبی است کہ در علم کلام بہ تفصیل ذکر یافتہ است بمقتضائے آرائے صاحبہ اہل سنت و جماعت کہ فرقہ ناجیہ اند و نجات یے اتباع آل بزرگان متصور نیست (۱۴)

ترجمہ:- علم کی دو قسمیں ہیں ایک علم وہ ہے جس سے مقصود عمل ہے۔ اس کا ضامن علم فقہ ہے۔ ایک علم ایسا ہے جس سے مقصود مجرد اعتقاد و یقین قلبی ہے۔ اسے علم کلام میں فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت کی آرائے صاحبہ کے مطابق تفصیل سے ذکر کیا جاتا ہے۔ اور ان بزرگوں کی اتباع کے بغیر نجات کا تصور ہی ممکن نہیں۔

علم کلام میں فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت کے ائمہ علماء کے صاحب فتووں کے مطابق ایمان و عقائد بیان ہی نہیں کیے جاتے۔ بلکہ ان کی حقانیت کے ثبوت میں دلائل بھی پیش کیے جاتے ہیں۔ پھر بھی غیر ناجیہ فرقے خاموش نہیں رہتے اور ہٹ دھرمی پر اتر آتے ہیں تو آخری چارہ کار کے طور پر یہ تبلیغی انداز جرح، جدل اور مناظرے کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ لیکن ایمانیات میں جرح، جدل اور مناظرے سے گریز کیا جاتا ہے۔ جہاں تک عقائد صحیحہ کو دلائل سے برحق ثابت کرتے کا سوال ہے۔ علم کلام اور ایمانیات کی سرحدیں ایک دوسرے میں مدغم ہوتی نظر آتی ہیں۔ لیکن ایمانیات

میں ان اصولی عقائد پر بحث کی جاتی ہے جن پر تحصیل اسلام کی غرض سے قانون شریعت کے مطابق یقین رکھنا ضروری ہے۔ اس لحاظ سے ایمانیات ہی کو علم عقائد بھی کہتے ہیں۔ علم عقائد اور علم کلام دونوں کو مترادف سمجھا جاتا ہے۔ لیکن علم کلام میں باطل عقائد کی نشاندہی اور ان کی حقانیت پر زور دیا جاتا ہے۔ علم کلام میں مناظرے یا جدل کے اصول پر عمل کیا جاتا ہے۔ اگر مقصود اثبات عقائد صحیحہ ہے اور باطل فرقوں کے اعتراضات کے جواب میں مدافعت کا رنگ غالب ہے، تو پھر یہ علم مناظرے کی حد میں چلا جاتا ہے۔ لیکن اثبات حق کے بجائے باطل فرقوں کے رد میں الزامی جارحانہ مسکت انداز اختیار کیا جائے تو اسے جدل کہتے ہیں۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ نے اپنے مکتوبات میں ایمانیات کے تبلیغی انداز کی پابندی اور جدل و مناظرے کی تیکھی زبان سے ممکنہ حد تک اجتناب فرمایا ہے۔ اسی لیے ہم انہیں حقیقی مفہوم میں ایمانیات کا ماخذ قرار دیتے ہیں۔

مکتوبات امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کا حقیقی مقصد تبلیغ اسلام،

تبلیغی جہاد

احیائے سنت اور نفاذ شریعت ہے اس مقصد کی خاطر حضرت

امام عظیم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ”نفاذ اکبر“ اور امام غزالیؒ کی ”احیائے علوم“ اور علاء

تفازانی کی ”شرح عقائد نسفی“ کو گھر گھر پہنچانا محال و ناممکن ہی نہیں بلکہ ان کا بھنا

اور سمجھنا ہر ایک کے بس سے باہر ہے۔ اس لیے حضرت امام ربانی قدس سرہ نے اپنے

مکتوبات کے ذریعہ اہل سنت و جماعت کے بنیادی عقائد، شرعی احکام اور تبلیغی ضوابط

صاحب علم و نظر اور متدین ارباب جاہ و مقدرت کی وساطت سے گھر گھر پہنچانے کا اہتمام

فرمایا۔ اور نمایاں طور پر اپنی زندگی ہی میں اس مقدس جہاد میں فائز و کامران رہے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کے ہر مکتوب میں تبلیغ، ترویج، اور نفاذ شریعت پر زور دیا

گیا ہے۔ آپ کو پورا پورا احساس ہے کہ جملہ شرائط کی پابندی کے ساتھ تبلیغ و تعلیم انتہائی

مشکل فریضہ ہے۔ پھر بھی خلوص و عقیدت سے بھرپور مکتوبات کی زبان میں آئے

جو بھی ہدایات صادر فرمائیں انہیں اپنا ایمان سمجھ کر نہ صرف عقیدت مندوں نے

پوری لگن کے ساتھ اپنا لیا بلکہ ان کی ترویج و اشاعت، تبلیغ و تعلیم، تعمیل و نفاذ کی خاطر اپنی اپنی زندگی تک وقف کر دیں۔

آپ کی اول و آخر آرزو و تقویت ملت، نفاذ شریعت اور اچھے سنت رہی۔ شیخ محمد حترجی کو لکھتے ہیں کہ بس ایک ہی ٹپ اور ایک ہی آرزو باقی ہے اور وہ یہی کہ سنت نبویہ دوبارہ از سر نو زندہ ہو کر نافذ ہو جائے۔ تحریر فرماتے ہیں۔

والحال آرزوئے نماندہ است انکہ اچھے سنت از سنن مصطفویہ

علی صاحب الصلوات والتلیمات نمودہ آید (۱۵)

حضرت شیخ فرید سے فرماتے ہیں کہ۔

کاش مجھے بھی ”سواد قوم“ میں شامل ہونے کی سعادت مل جاتی۔

میری بے بضاعتی کا عالم تو اس بے سرو سامان بڑھیا کی طرح ہے جو چند موٹے موٹے دھاگوں کو جوڑ گا نہ کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ کے خریداروں سے رشتہ جوڑنے میں کوشاں و لرزاں نظر آتی ہے۔

تحریر فرماتے ہیں کہ۔

ایں حقیر قبیل بضاعت نیزی خواہد کہ خود را در جرگہ ممدان دولت

اسلام اندازد و دریں باب دست و پا بزد۔ بحکم من شد سواد قوم نہو

منہم کہ ایں بے استطاعت را داخل ایں جماعہ کرام سازند۔ مثل خود را

مثل آن زبال از گارد کہ ریشمان چند تنیدہ خود را در سلک خریداران

حضرت یوسف علیٰ نبیا و علیہ الصلوٰۃ والسلام ساختہ بود (۱۶)

آپ نے واضح فرما دیا کہ تبلیغ دینی فریضہ ہے۔ اس لیے روز قیامت تبلیغ سے جی

چرانے والوں کا کوئی عذر نہیں قبول فرمائے گا۔ یہ کہنا عذر گناہ بدتر از گناہ ہے کہ تشریفات و معجزات کے بغیر تبلیغ امر محال ہے۔ حضرت شیخ فرید بخاریؒ کو تحریر فرماتے ہیں

معجزات از نزد خداست عزوجل بر ما تبلیغ احکام است (۱۷)

پھر واضح فرما دیتے ہیں کہ۔

در قیامت عذر نخواهد شنید کہ بے تصرف تبلیغ احکام شرعی نہ کرد (۱۸)

تبلیغ دین کے اغراض و مقاصد

حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ کی نظر میں تبلیغ دین کے دو بنیادی اغراض و مقاصد ہیں۔

(۱) تقویتِ ملت و عزتِ اسلام

(۲) ذلت و خواری کفر

ان دونوں کو ملا کر آپ نے ایک ناقابل تردید اصول مقرر فرما دیا ہے کہ

”عزتِ اسلام و اہل آن در خواری کفر و اہل کفر است“ (۱۹)

یعنی۔ اسلام اور مسلمانوں کی عزت کفر اور کافروں کی ذلت و خواری پر منحصر ہے۔ اس لیے اسلام کی راہ میں، تقویتِ ملت کی خاطر حقیر سے حقیر قربانی بھی کروڑوں روپے کے خیر انعامات سے بھی کہیں زیادہ قیمتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ۔

”امروز اسلام بسیار غریب است جتنے کہ امروز در تقویت دین صرف مہ

کند، کروڑ ہا مہی خرند“ (۲۰)

آپ فرماتے ہیں کہ جس قدر کافروں کی عزت کا خیال رکھا جائے گا اسی حد تک مسلمان ذلیل و خوار ہوتے جائیں گے۔ گویا تعظیم و توقیر کفر اور تحقیر و تذلیل اسلام دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اس اصول کو فراموش کر گئے تو پھر دین کی بربادی ہمارا مقدر بن چکی ہے اسی لیے تحریر فرماتے ہیں کہ۔

”ہر قدر کہ اہل کفر را عزت باشد، ذلت در اسلام ہماں قدر است۔ ایں

سررشتہ را نیک باید نگاہ داشت، اکثر مردم ایں سررشتہ را گم کردہ

اند و از شومی آن دیں را برباد دادہ“ (۲۱)

اور کافروں کی تحقیر و تذلیل کی واحد تدبیر یہی ہے کہ اسلامی احکام کی باقاعدہ ات

کی جائے اور مسلمانوں کو علوم شرعیہ کی باقاعدہ تعلیم دی جائے۔ خاص طور سے جہاں جہاں کافروں کا زور ہو، وہاں اور بھی اہتمام کے ساتھ تبلیغ اسلام کے مرکز قائم کیے جائیں۔ اسی لیے آپ ملا احمد برک کی کو ہدایت فرماتے ہیں کہ:

”قبولیت کی دولت حاصل کرتا ہے تو پھر آپ ان مقامات میں جہاں کفر و بدعات کا زور ہو علوم شرعیہ کی تعلیم دیں اور احکام فقہی کے اشاعت کریں“ (۲۲)

اگرچہ آپ علمائے حق کو اس باب اقتدار سے دور رہنے کی تاکید فرماتے ہیں۔ پھر بھی اس نیک مقصد کی خاطر دربار تک رسائی حاصل کرنے کی ہدایات جاری فرماتے ہیں کہ

”بر مسلماناں لازم است کہ بادشاہ را از شستی رسوم آن بدیکشاں
اعلام بخشند و در دفع آن کوشند“ (۲۳)

یعنی ”ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے بادشاہ کو ان بدکیش کافروں کی رسموں کی خرابیوں کا احساس دلائیں اور انہیں مٹانے کی خاطر ضروری کارروائی پر آمادہ کریں“

اور اسی لیے حضرت شیخ فرید بخاری کو تلقین فرماتے ہیں کہ خلوت و جلوت میں جوں ہی اور جو بھی موقع ملے، قربت شاہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نفاذ شریعت پر اسے راغب کرتے ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں کہ۔

”چوں استطاعت و قرب بادشاہ بدرجہ، تم ایساں راجح سبحانہ تعالیٰ
میسر ساختہ است، در خلای و ملا و تر و بیج شریعت محمدی علیہ و علی آلہ
من الصلوات بافضلها و من التلیمات اکملها کوشند و مسلماناں را
از غریب آرند“ (۲۴)

شَرَاطُ تَبْلِيغٍ

(۱) ابلاغ حق ہی سے عرض رکھنا چاہیے۔ ”لفظ تبلیغ“ کے لغوی مفہوم ہی سے

اولیں شرط یہی مستنبط ہوتی ہے کہ صرف اور صرف ”کلمہ حق“ سے سروکار رکھنا چاہیے وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ، ہماری غرض تو صرف کلمہ حق پہنچانا ہی ہے۔ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ کتنا ہی بڑا مرد میدان ہے جو عیش و عشرت کو ٹھکرا کر اس مقدس کام میں لگ جاتا ہے۔ اسے دنیوی شان و شوکت میسر ہے، خدم و حشم ہمہ دم اس کے اشاروں پر ناپنے کے لیے مستعد تیار رہتے ہیں مزید ارغین کھانوں سے کام و دہن لطف و لذت اٹھانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے، نقش و نگار سے مزین لباس سہائے فاخرہ میں وہ جاد و جلال کا پیکر نظر آتا ہے۔ پھر بھی دعوت حق پر لبیک کہتے ہوئے تبلیغ کا بارگراں سنبھال کر عجز و عاجزی کا نمونہ بن جاتا ہے۔ ایسی ہی شخصیت فلاح دارین کی دولتِ عظمیٰ سے مالا مال ہو کر بارگاہِ ایزدی میں نمایاں مقام پر فائز نظر آئے گی۔ خواجہ جہاں سے ارشاد فرماتے ہیں کہ

من آنچه شرط بلاغ است با تومی گویم
تو خواه از سخنم پند گیر و خواه مسلل

تا کلام صاحب دولت باشد کہ بایں طمطراق دنیاوی و بایں خدم حشم
و بایں طعامہائے لذیذ و چرب و بایں لباسہائے فاخر و پرشکوہ ”کلمہ حق“
را بسع قبولی استماع نماید

گوشش از بار و درگراں شدہ است

نشود نالہ و فغان مرا (۲۵)

(۳) دیوانوں کی طرح ابلاغ حق میں لگ جانا ہے۔ جب تک اپنی ہستی کو تہج کر پوری لگن سے ”ابلاغ حق“ میں دیوانہ نہیں بن جاتا، گوہر مقصود نہیں مل سکتا۔ خان اعظم کو تلقین فرماتے ہیں کہ اس طرح پوری پوری لگن کے ساتھ اچھے سنت کے کام میں لگ جاؤ کہ دیکھنے والے بے اختیار چلا اٹھیں کہ یہ تو تبلیغ کی راہ میں دیوانہ ہو گیا ہے۔ اسی لیے ارشادِ نبوی ہے کہ تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں کہلا سکتا جب تک لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ ”یہ تو دیوانہ ہو گیا ہے۔“

لَنْ يُؤْمِنَ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يُقَالَ إِنَّهُ مُجْتَنِبٌ (۲۶)

یعنی ”تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن کہلانے کا مستحق قطعاً نہیں جب تک (دین کی راہ میں) لوگ اسے دیوانہ کہنے نہ لگیں“

اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

امتاں رازندگی جذب دروں : کم نظریں جذب راگوید جنوں

بیچ قوے زیر چرخے لاجورد : بے جنون ذوفنون کالے نہ کرد

خواجہ نجدوب اسی حقیقت کو یوں بیان فرماتے ہیں کہ۔

بس اتنی سی حقیقت ہے ہمارے دین و ایماں کی

کہ اس جان جہاں کا آدمی دیوانہ ہو جائے

(۳) علمائے حق کی خدمات حاصل کی جائیں : چونکہ علمائے حق ذاتی مفاد

سے بالاتر ہو کر فی سبیل اللہ دینی فرائض سرانجام دیتے ہیں اس لیے وہی تبلیغ

کا کام موثر انداز میں بے لوث ہو کر سرانجام دے سکتے ہیں، ان کی بے غرض دینی

خدمات کا اعتراف فرماتے ہوئے حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ انہیں ”علمائے

دیندار“ یا ”علمائے آخرت“ کے نام سے یاد فرماتے ہیں۔ انہیں علمائے حق کی

شان میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے کہ۔

”روز قیامت ان علما کے قلم کی روشنائی، خون شہد کے مقابلے

میں تولی جائے گی، تور و شنائی والا پلڑا خون والے پلڑے سے

زیادہ بھاری نکلے گا“ (۲)

علمائے حق کی اسی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے بادشاہ کی طرف سے ان کے

انتخاب کے فیصلے پر خراج تحسین پیش فرماتے ہیں۔

شہیدہ شد کہ بادشاہ اسلام از حسن نشا مسلمان کہ در نہاد خود دارند

بایشاں فرمودہ اند کہ چہار کس از علمائے دیندار پیدا کنند کہ ملازم

باشند و بیان مسائل شرعیہ می کردہ باشند تا خلاف شرع امرواقع

نشود۔ الحمد لله وسبحانه على ذلك (۲۸)

(۴) دنیوی تعیشتات سے اجتناب: حضرت امام ربانی قدس سرہ نے مبلغ پر یہ شرط بھی لگائی ہے کہ وہ دنیوی تعیشتات سے دور رہے اور اسے دنیا سے لگاؤ نہ ہو کیونکہ دنیا و آخرت میں سوتا پاتا ہے (۲۹) اور دونوں کا جمع ہونا گویا اضداد کا جمع ہونا ہے (۳۰) مرزا قلیچ اللہ بن قلیچ پر دنیا کی حقیقت انتہائی سادہ زبان میں واضح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہر وہ شے جو حق سے غافل کر دے، وہی دنیا ہے۔ زر، زن، اولاد، جاہ و دولت، لہو و لعب اور فضول مشاغل میں مستغرق ہونے کا نام دنیا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں۔

اے فرزند بیچ می دانی کہ دنیا چیست؟ آنچه ترا از حق سبحانہ و تعالیٰ

باز دارد پس از زن و فرزند و مال و جاہ و ریاست و لہو و لعب

و اشتغال رہا بالیعنی ہمہ داخل دنیا است (۳۱)

(۵) اسلامی اخلاقیات کی پابندی: حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی اخلاقیات کی پابندی پر بھی زور دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ نجات اخروی دو باتوں پر منحصر ہے۔

(۱) احکام خداوندی کی پابندی۔

(۲) خلق خدا سے شفقت کا برتاؤ۔ (۳۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکاری، نرمی، تحمل، عفو اور چشم پوشی کا حکم دیا ہے۔ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ۔

”بچے مومن کی پہچان یہی ہے کہ وہ اس اونٹ کی طرح عجز و انکاری کا

مظاہرہ کرتا ہے جس کی ناک میں نیکیں ہوں جسے کھینچتے ہی وہ فوراً ہی

بلا جھجک بیٹھ جاتا ہے“ (۳۳)

خدمت خلق کی اہمیت واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ۔

خدمت خلق حکم خداوندی ہی کی بنا پر لازمی قرار دی گئی ہے ورنہ

کس کی مجال تھی کہ اطاعت الہی کے سوا کسی اور کی خدمت میں مشغول
نہوتا۔ پس انسانوں کی خدمت بھی خدا کی خدمت میں شمار ہوگی۔ (۳۴)

تبلیغ دین کی راہ میں ہجرت

تبلیغ کی خاطر ہجرت کو بھی آخری چارہ کار کے طور پر دینی فریضہ قرار دیا گیا ہے۔
ہر طرف کفر و شرک کا غلبہ ہو، دشمنان اسلام دند تاتے پھر رہے ہوں تو پھر ایسے
عالم میں صاحب ایمان ہستیوں کو کسی محفوظ مقام پر ہجرت کرنے کا حکم دیا
گیا ہے۔ اصحاب کہف نے اسی ہجرت کی بدولت اللہ تعالیٰ کی نظریں اونچا مقام
حاصل کر لیا۔ حق رفاقت ادا کرنے کی وجہ سے ان کے کتے کو بھی فضیلت حاصل
ہو گئی۔ حضرت شیخ فرید رحمۃ اللہ علیہ کو لکھتے ہیں کہ

اصحاب کہف این ہمہ درجات کہ یافتند بواسطہ ریک حسد است
دال ہجرت بود اندر دشمنان حق سبحانہ تعالیٰ بنور یقین ایمانی در وقت
استیلا معاندان (۳۵)

یعنی۔ اصحاب کہف نے محض ایک نیکی کے واسطے سے یہ سب بڑے بڑے
درجات حاصل کر لیے اور وہ ہے نیکی و دشمنان حق سے یقین ایمانی
کے نورانی ماحول کی طرف ہجرت ایسے عالم میں کہ کافروں کو ہر طرف
غلبہ حاصل تھا۔

خان اعظم کی توجہ بھی اسی حقیقت کی طرف مبذول کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔
اصحاب کہف نے ہجرت کے سوا اور کوئی عمل نہیں کیا تھا، مگر یہی عمل
ان کی فضیلت کا سبب بن گیا (۳۶)
مرزا فتح اللہ حکیم کو بھی یہی بات لکھتے ہیں کہ۔

”اصحاب کہف ایں ہمہ بزرگی بواسطہ ریک ہجرت از مخالف دین یافتند“ (۳۷)

فلسفۂ ہجرت

لیکن ہجرت صرف نقل مکان کا نام ہی نہیں ہے کفر و شرک، نفاق و فساد اور نفس و نفاقیت سے چھٹکارا حاصل کرنے کا نام بھی ہجرت ہے۔ اسے باطنی ہجرت کہتے ہیں۔ مگر محض اپنی ذاتی فلاح کی خاطر کفر و نفاق اور نفاق کی خواہشات سے نجات حاصل کرنے کو ہجرت نہیں کہتے۔ اس کے ساتھ ہی تبلیغی جہاد (جہاد قومی) کی قوت سے اپنے بھائیوں کو کافروں کے ظلمت و ضلالت سے گھرے ہوئے ماحول سے نکال کر ایمان افروز اسلامی ماحول میں لانے اور انہیں اللہ کی جماعت ”حزب اللہ“ میں پھر سے شامل کرنے کا نام ہجرت ہے۔

قید و بند کی صعوبتیں گوارا مگر جہانگیر کے خلاف محاذ آرائی گوارا نہیں۔ اس کے برخلاف مجدد اعظم رحمۃ اللہ علیہ ہی بدایات صادر فرماتے رہے کہ شہنشاہ کے دربار میں دینی تبلیغ جاری رکھی جائے۔

آپ کے دور میں مسلمان انتہائی کس میرسی کے عالم میں زندگی گزار رہے تھے۔ مسلمانوں کی مملکت تو برصغیر میں قائم تھی مگر بڑا زور تھا کافروں کا۔ یہ کافر مسلمانوں پر اس حد تک چھائے ہوئے تھے کہ ہندو انی سماج میں انہیں ضم کرنے میں بڑی حد تک کامیاب ہو گئے تھے۔ اسی لیے آپ اس دور کو ”عزیت اسلام“ اور خود اسلام کو ”غریب اسلام“ قرار دیتے ہیں۔

ایسے عالم میں جب ہر طرف اور چاروں طرف کفر کا فری کا غلبہ ہو اسلامی شعار مٹائے جا رہے ہوں، مسلمان کافروں کے معاشرے میں اس قدر پرچ بس گئے ہوں کہ ان کے تہوار اور رسمیں بڑے جوش و خروش سے اور انتہائی احترام و عقیدت سے منارہے ہوں۔ چند غیر مسلمان اسلامی حمیت و غیرت سے تڑپ کر اور دینی محبت و عقیدت سے سرشار ہو کر اسلامی شعار پھیلانے دینی احکام کی بالاتری بحال کرنے اور سنت نبوی کو از سر نو فروغ دینے پر تلی جائیں اور بے بس گمراہ مسلمانوں کو کافروں کے پنجے سے نکال کر انہیں راہ ہدایت پر دوبارہ گامزن کرنے کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں تو اسے بھی پچھ...

کہتے ہیں۔ اس لیے ان غیرت مند مبلغ کو اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ محض اس ہجرت کی بدولت اپنی رضائے سرمدی کی نعمت عظمیٰ سے مالا مال کر دے گا۔ حضرت امام ربانی فرماتے ہیں کہ۔

”ان کی مثال ان سپاہیوں جیسی ہے جو تھوڑی سی تعداد میں ہونے کے باوجود ایسے عالم میں جانوں پر کھیل کر اپنے بادشاہ کی جانتا میں سر بکفت ہو کر لڑتے ہیں جب چاروں طرف سے دشمن نے یلغار کر کے شاہی فوج کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا ہو۔ تو پھر بادشاہ توقع سے زیادہ غیر معمولی انداز میں انہیں اعزاز و اکرام عطا فرماتا ہے۔“
یہی بادشاہ امن و امان کے دور میں انہیں ذرا سی بھی وقعت نہیں دیتا (۳۸) اسی مثال کو پیش کرتے ہوئے حضرت شیخ فرید کو لکھتے ہیں کہ۔

مثلاً سپاہیاں در وقت غلبہ دشمنان و استیلائے مخالفان اگر اندک تر و دوری کنند ان قدر نمایاں می شود و اعتبار می گیرد کہ در وقت امن اضعا ان در حیز اعتبار نمی آید (۳۹)

تو پھر ایسے عالم میں حکم شریعت کے احترام میں تبلیغ کی خاطر تھوڑی سی جدوجہد بھی اللہ تعالیٰ کی نظر میں محبوب بننے کے لیے کافی ہے۔ اس لیے فرماتے ہیں ”تو پھر ہے کوئی عینور صاحب دولت! جو آگے بڑھ کر رضائے ایزدی کا پرچم اٹھالے اور اتباع سنت اور متابعت شریعت کی دولت اپنے دامن میں سمیٹ لے، یہی بات اسی مکتوب میں حضرت شیخ فرید کو تحریر فرماتے ہیں کہ۔

تا کدام صاحب دولت باعتبار اتباع سنت سنیه او بنوازند و متابعت شریعت رضیه او سرفراز سازند۔ امروز ”عمل قلیل“ را کہ مقرون بتصدیق حقیقت

دین اوست علیہ الصلوٰۃ والسلام ”بعمل کثیر“ بر میدارند (۴۰)

آخر میں اسی عظمت سرمدی کو مدنظر رکھتے ہوئے انہی شیخ فرید کو تلقین فرماتے ہیں کہ۔

اگر "ہجرت ظاہری" میسر نہ شود، "ہجرت باطنی" را کمال مرعی می باید

داشت، بالمشاں بے ایشان می ماند بود (۴۱)

اسی ہجرت باطنی کی نعمتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خان اعظم کو احساس دلانے ہیں

یہ جو "جہاد قوی" (تبلیغ دین) کی توفیق آپ کو میسر ہے، یہی "جہاد اکبر"

کے برابر ہے۔ اس لیے اس موقع کو غنیمت جانئے اور جہاں تک ہو سکے

زبان سے دین کی حمایت کیجئے۔ اپنی گفتار کو "قتال" سے زیادہ مؤثر

سمجھئے ہم جیسے بے دست و پا فقیر تو اس نعمت سے محروم ہیں (۴۲)

نفس امارہ کی غلامی سے نکلنے کو بھی ہجرت کہتے ہیں

عالم شباب میں غلبہ شہوت کے باوجود اگر کوئی نفسانی خواہشات کو کچل کر نفس

املوہ کے خلاف جہاد کرتا ہے اور اس کی غلامی کا طوق اپنے گلے سے اتار کر خضوع خضوع

کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے تو اسے بھی ہجرت باطنی کہیں گے۔ اس لیے ارض

سپاہیوں کی طرح اسے بھی اعزاز و کرام ملے گا جو اپنی جانیں خطروں میں ڈال کر عین

اس وقت اپنے بادشاہ کی امداد پر پہنچ جاتے ہیں جو غلبہ غنیم کی وجہ سے سپاہی قبول

کر چکا ہو یہی نہیں بلکہ اسے تو ان اصحاب کہف کی طرح رب ذوالجلال کی رضائے

سرمدی حاصل ہو جائے گی جو کافروں کے غلبے سے نجات حاصل کرنے کی خاطر ہجرت

پر مجبور ہو گئے تھے۔

اسی فلسفہ ہجرت پر روشنی ڈالتے ہوئے مرزا فتح اللہ حکیم کو لکھتے ہیں کہ۔

"کار آنت کہ باوجود مخاطرہ کردہ شود، سپاہیاں در وقت غلبہ غنیم اگر

اندک ترودی کنند، اعتبار بسیار پیدائی کند۔"

"صلاح جواناں ہاں سبب اعتبار دارد کہ باوجود غلبہ شہوت

نفسانی خود را بصلاح آوردہ اند۔"

"اصحاب کہف ایس ہمہ بزرگی بواسطہ یک ہجرت از مخالف دین یافتند (۴۳)

اسی لیے حدیث نبوی میں آیا ہے کہ عِبَادَةُ تِي الرَّهْجِ كَحَجْرِهٖ اِلَىٰ،

فذنہ و آشوب حائل ہو رہے ہوں یا نفسانی خواہشات عالم بیجان میں خارج ہو رہی ہوں۔ پھر بھی بارگاہ ایزدی میں سز بسجود ہو کر اس کی عبادت میں مستغرق ہو جائیں تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت قرار دیا جائے گا (۴۴)

پس نفسانی بیجان کے عالم میں منہیات سے بچنا عین عبادت ہے۔ اسی حقیقت کو حضرت امام ربانیؒ نے اپنے الفاظ میں یوں تحریر فرمایا ہے۔

پس "منافی" فی الحقیقت "عین باعث" است (۴۵)

ہجرت باطنی یا تبلیغ اسلام کی خاطر جتنی بھی اذیتیں اٹھانی پڑیں یا تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑے تو یہ بڑی سعادتی و برکت کی بات ہوگی کیونکہ اس طرح ان انبیاء کے ذمے میں شمولیت کی نعمت حاصل کرنے کا ذریعہ موقع مل جائے گا۔ جنہیں محض اعلیٰ کلمۃ الحق کی خاطر نہ معلوم کتنی ایذائیں اور اذیتیں ادی گئیں۔ اور ان سب کے مقابلے میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ تعذیب کا ہدف بنایا گیا حضرت شیخ فرید بخاری رحمۃ اللہ کو تحریر فرماتے ہیں کہ۔

چہ سعادتی کہ دریں گفتگو جمعے بازار رسد انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتیات
در تبلیغ احکام شرعیہ چہ آزار ہا کہ نہ کشیدہ اند و محنت ہا کہ ندریدہ بہترین
ایشان علیہم من الصلوٰۃ افضلہا و من التیات اکملہا فرمودہ
ہا و ذی نبی مثل ہا و ذیت (۴۶)

اسی بنا پر اس دولت عظمیٰ (تبلیغ دین) کے حصول کی تلقین کرتے ہوئے ملاحظہ فرمائیے کہ۔

قبولیت کی دولت حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ ان علاقوں میں جہاں کفر و بدعت کا دور دورہ ہو، علوم شرعیہ کی تعلیم دیں اور احکام فقہی کی اشاعت کریں۔ (۴۷)

شریعت اسلامیہ کی پابندی

حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ انتہائی والہانہ انداز میں یہی فرماتے ہیں کہ

شریعت اصل ہے اسے اساسی حیثیت حاصل ہے، اس لیے مبلغ کی زندگی کا ہر لمحہ شریعت کے سانچے میں ڈھل کر رضائے ایزدی کے تابع ہونا چاہیے۔

شریعت

اس لیے آپ نے ہر مکتوب میں شریعت کی نوعیت، اہمیت اور افادیت پر بڑے ہی دل نشین انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ الآمدی کے مطابق شریعت سے مراد دین اسلام کے وہ تمام احکام ہیں جو فقہ اسلامیہ کے بنیادی ماخذ اربعہ، کتاب، سنت، اجماع اور قیاس سے مستنبط ہیں۔

شریعت اسلامیہ زندگی کے ہر شعبے پر محیط ہے اور عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاقیات پر مشتمل ہے۔ عام طور سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ شریعت و طریقت دو متضاد نظریہ جیات کا نام ہے، لیکن آپ نے اس جھوٹ کی بڑے شدید مد سے تردید کی ہے، اور دلائل سے ثابت فرمایا ہے کہ طریقت عین شریعت ہے اور دونوں میں بال برابر فرق نہیں۔ اس لیے ہر وہ بات مردود قرار پائے گی جو شریعت کے مخالف ہو۔ اس حقیقت کو مد نظر رکھتے ہوئے آپ نے ہماری رہنمائی کے لیے یہ قاعدہ کلیہ پیش کر دیا ہے کہ۔

كُلُّ حَقِيقَةٍ رَدَّتْهُ الشَّرْعُ زَنْدَوَةٌ (۴۸)

یعنی "ہر وہ حقیقت جسے شریعت نے رد کر دیا ہو زندقیت ہے"

اس طرح فی الحقیقت طریقت شریعت کی معاون یا طریقت شریعت کی خادم ہونی۔ حضرت مجدد اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ۔

پس فی الحقیقت باطن کہ طریقت و حقیقت است متمم و مکمل ظاہر آمد

کہ شریعت است (۴۹)

اس لیے واشگاف الفاظ میں اعلان فرمادیتے ہیں کہ سلوک و طریقت کے

"احوال و مواجید" مقدمہ مقصود (MEANS) ہیں نہ کہ خود مقصود (END)

پھر آپ کا کہنا ہے کہ یہ راز تقریباً دس سال تک اس راز میں گامزن رہنے کے بعد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں منکشف ہوا ہے۔ فرماتے ہیں کہ۔

”لیکن بعد از عشرۃ کاملہ حقیقت کما ہو بظہور آمد“ (۵۰)

مقصود شریعت تو پھر آخر مقصود شریعت کیا ہے؟ حضرت سید مالک پوری کی تحریر فرماتے ہیں کہ

”مقصود شریعت یہ ہے کہ نفس امارہ کی خواہشات مغلوب ہو کر رہ

جائیں۔ پس جو بھی اپنے نفس کو مغلوب رکھنا چاہتا ہے اس

پر شریعت کی پابندی لازم ہے۔“ (۵۱)

حضرت شیخ فرید بخاری کو تحریر فرماتے ہوئے اسی بات پر زور دیتے ہیں کہ

”حکمت در تکلیفات شرعیہ تعجز و تخریب نفس امارہ است۔ شرائع ہوائے

رفع ہوائے نفسانی وارد شدہ اند۔ ہر قدر کہ بمقتضائے شریعت عمل

در آید ہماں قدر ہوائے نفسانی رو بزوال آرد“ (۵۲)

اس لیے اپنی طرف سے شریعت کا احترام کیے بغیر ہزاروں سال بھی ریاضت

مجاہدے میں گزار دیئے جائیں تو ان کی کوئی بر حیثیت نہیں۔ ہاں ان کے بجائے

ایک اور صورت ایک حکم شرعی، بجالانے سے نفسانی خواہشات کو کچلنے میں بڑی

مدد ملتی ہے۔ اسی مکتوب میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ۔

”لہذا اتیان یک حکم از احکام شرعیہ در ازالہ ہوائے نفسانی بہتر

است از ریاضات و مجاہدات ہزار سالہ کہ از نزد خود کردہ شود

بلکہ ایں ریاضات و مجاہدات کہ بمقتضائے شریعت غرا و اتبع نہ شدہ

اند، موید و مقوی ہوائے نفسانی اند۔ بر ہمنماں و جوگیاں در

ریاضات و مجاہدات تقصیر نہ کردہ اند۔ اما پمچ از اینہا سود مند

نہ گشتہ و غیر از تقویت نفس و تربیت اُن نمودہ“ (۵۳)

اس طرح آپ تہنید فرماتے ہیں کہ شریعت کا لحاظ کیے بغیر جو بھی ریاضت کی جائے

گی، ہوائے نفسانی کو تقویت پہنچانے میں موید ثابت ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ ہمنوں

اور جوگیوں کو ان ریاضتوں سے نفسانی خواہشات برلانے میں مدد ملتی ہے۔ یہ
ہوس کے بندے اپنی سغلی خواہشات پوری کرنے کے لیے ریاضت و مجاہدہ کرتے
ہیں نہ کہ تزکیہ نفس کی خاطر۔

حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ کے نزدیک تو شریعت "ام جمع کمالات" ہے۔
نہ صرف اس سے دنیوی فلاح حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ کمالات اخروی اور نعمات برمی
کی نعمتیں بھی میسر آجاتی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ شریعت تو ایک "شجرہ طییبہ" ہے جس کے
بے شمار پھل یہاں وہاں جہاں جہاں ہر جگہ فیضیاب ہونے کے لیے دعوت
فیض دے رہے ہیں۔ اسی نکتے کو سمجھاتے ہوئے مولانا حمید بنگالی کو تحریر فرماتے
ہیں کہ۔

پس شریعت ام جمع کمالات گشت۔ نتائج و ثمرات شریعت مقصود
بریں نشا دنیوی نیست۔ کمالات نشا اخروی و نعمات سرمدی
نیز از ثمرات و نتائج شریعت است۔ پس شریعت شجرہ طییبہ آمد کہ
دریں نشا و دران نشا از ثمرات و ثمرات اہل عالم منتفع است جہاں
جہاں فوائد از انجاما خود است (۵۴)

سنت و بدعت

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شریعت اساس ہے تو نبوت منہائے
معراج اس لیے منہاج نبوت پر گامزن ہو کر ہی ہم شریعت کے تقاضے کو پورا کر سکتے ہیں۔
ورنہ اتباع سنت کے بغیر محض اعمال شریعت کی پابندی سے فلاح و نجات نہیں مل
سکتی۔ اسی بات کو واضح کرنے کے لیے صوفی قربان علی کو تحریر فرماتے ہیں کہ۔

فضیلت منوط بتابعیت سنت سینہ اوست و مزیت مربوط باتیاں

شریعت اد علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام والیتجہ (۵۵)

اس لیے دونوں دنیا کی سعادتیں حاصل کرنا ہے تو سنت نبوی کی اتباع کو اپنا ایمان بنالیں، اگر کسی بھی لمحے اس کی خلاف ورزی کی جسارت کی گئی تو پھر تباہی و بربادی اور نیکیت و ادبار کے قعرِ مذلت میں گر کر ہم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے فنا ہو جائیں گے۔ اس نکتے کی وضاحت انتہائی مؤثر تینہانہ انداز میں اسی مکتوب میں آپ نے یوں فرمائی ہے۔

پس سرایہ جمیع سعادات متابعت سنت است و ہیولائے جمیع

فسادات خلاف شریعت (۵۶)

آپ بڑے دکھ کے ساتھ فرماتے ہیں کہ ہر ایک سنت کی خلاف ورزی پر تلا بیٹھا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ بدعتوں میں گھر گھر ہندوانی رسموں کی پابندی کو عین سنت سمجھا جا رہا ہے حالانکہ سنت و بدعت ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک کی زندگی دوسرے کی موت ہے اس لیے آپ نے اپنی ساری زندگی اجائے سنت اور رفع بدعت کے لیے وقف فرمادی۔

لیکن مشکل یہ آن پڑی کہ آپ کے دور میں بدعتِ حسنہ کے نام سے نہ معلوم کتنی بے شمار غیر شرعی رسمیں پھیل چکی تھیں۔ اس لیے آپ نے بدعت کے خلاف سخت موقف اختیار فرمایا اور اعلان فرمادیا کہ خواہ کسی قسم کی بدعت ہو بدعت بدعت ہے۔ آپ نے اپنے موقف کا اظہار یوں فرمایا ہے۔ مفتی کابل خواجہ عبدالرحمن کو تحریر فرماتے ہیں کہ

”گفتہ اند کہ بدعت بر دو نوع است، حسنہ و سیئہ۔ حسنہ آن عمل نیک را گوید کہ بعد آن سرور و خلفائے راشدین علیہ و علیہم من الصلوٰت اتہا و من التحیات اکلہا پیدا شدہ۔ باور فع سنت نماید۔ وسیہ آنکہ رافع سنت باشد (۵۷)

اس لحاظ سے ہر وہ بدعت جو رافع سنت ہے، بدعتِ سیئہ یا بدعتِ ضلالہ کہلاتی ہے آپ نے اسی بات کو ایک قاعدہ کلیہ کے تحت واضح فرمانے کی کوشش فرمائی ہے کہ دین میں اضافہ سنت کو منسوخ کر کے اسے آخر کار مٹا دیتا ہے

”الزِّيَادَةُ تُسَنَّحُ وَالنُّسْخُ رَفْعٌ“ (۵۸)

آپ اس سخت موقف کا اظہار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔
 ” اس زمانے میں یہ فقیر بدعت کو ایک کلہاڑی سمجھتا ہے۔ جو اسلام
 کی جڑوں کو کاٹ رہی ہے اور ہر سنت کو ایک روشن ستارہ کہتا یہ کلی
 میں برابر رہنمائی کر رہا ہے۔“ (۵۹)

بدعت کے بارے میں آپ کا یہ موقف اسلامی ایمانیات کے عین مطابق ہے
 البتہ ضروریات دین خواہ و عقائد ہو یا فقہی احکام انہیں چھوڑ کر باقی معمولات زندگی
 کو عین بدعت قرار نہیں دیا جاسکتا بشرطیکہ اسلامی روح کو متاثر نہ کرتے ہوں لیکن
 علمائے سونے بدعت حسنہ کے نام سے جن باتوں کو جائز قرار دیدیا ہے اور وہ
 حقیقتاً راقع سنت ہیں تو پھر انہیں بدعت ہی میں شمار کیا جائے گا مثلاً عمامے کو
 کفن میں شامل کرنا اور دستار کے شملے کو بائیں طرف کندھے پر ڈالنا (۶۰)۔
 لیکن آپ نے شمال، شلوار اور فرجی جلیے ملبوسات استعمال کرنے سے منع نہیں
 فرمایا ہے کیونکہ عرف و عادات کے مطابق یہ معمولات زندگی بن گئے ہیں۔ اس موقف
 کی وضاحت فرماتے ہوئے آپ میر محمد نعمان کو تحریر فرماتے ہیں کہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات و نوعیت کے ہیں۔ ایک بطریقہ
 عبادات دوسرے بطریقہ عرف و عادات۔ جو معمولات عبادات کے تحت
 آتے ہیں، انہیں رفع کر کے ان کے مقابلے میں دوسرے معمولات رائج
 کرنے کو میں بدعت قرار دیتا ہوں اور ان کی مانعت و اجتناب میں مبالغہ
 اختیار کرتا ہوں کیونکہ یہ دین میں اضناذ ہے اور اسی لیے یہ کھلی گمراہی ہے
 لیکن کسی دوسرے معمول کو عرف و عادات کے رنگ میں اپنایا جائے تو
 اسے میں بدعت نہیں سمجھتا اس لیے ان کی (فرجی، شلوار) مانعت
 میں مبالغہ اختیار نہیں کرتا کیونکہ ان کا تعلق دین سے نہیں ہے۔ اور
 ان کا وجود عدم عرف و عادات پر مبنی ہے نہ کہ دین و ملت پر۔ کیونکہ
 ایک شہر کی رسم و رواج (عرف) دوسرے شہروں کی رسم و رواج سے

مختلف ہوتی ہیں اور اسی طرح ایک ہی شہر میں زمانوں کے بعد و تفاد
کی بدولت پہلے ایک رواج مقبول تھا، پھر اس کی جگہ بعد میں دوسرے
رواج نے سلی۔ پھر بھی یہ خیال رہے کہ سنت عادی کا احترام انتہائی
مفید اور باعث سعادت ہے (۶۱)

”مؤذک رعایت سنت عادی نیز مشہر تاج است و متبع سعادت“

بدعت پر آپ کے موقف کو سمجھنے کے لیے درج ذیل باتوں کو ذہن نشین کرنا چاہئے

(۱) صرف ان عقائد و احکام کو تسلیم کیا جائے جو کتاب و سنت و اجماع کے مطابق

ہوں، تا کہ اہل بدعت اہل سنت میں شامل ہو کہ ہمارے عقائد کو خراب نہ کریں (۶۲)

(۲) قیاس و اجتہاد بدعت میں داخل نہیں وہ تو نصوص کے مفہوم کو واضح کرتے

ہیں کسی امر زائد کو ثابت نہیں کرتے کہ بدعت کا احتمال پیدا ہو سکے۔ (۶۳)

(۳) فرقہ و ناجیہ اہل سنت کے علاوہ باقی بہتر فرقے ضلالت و گمراہی کا راستہ اختیار

کر چکے ہیں اور ان کے پیشوا علمائے سوئے ہیں (۶۴)

(۴) ہر بدعتی اور گمراہ فرقے نے اپنے زعم فاسد سے یہ بات گھڑ لی ہے کہ ان کے

عقائد فاسدہ کتاب و سنت سے ماخوذ ہیں۔ (۶۵)

(۵) فرقہ و افض تمام فرقوں میں بدترین بدعتی فرقہ ہے۔ (۶۶)

(۶) خطبے سے خلفائے راشدین کا نام خارج کرنا بدعت ہے، کیونکہ خطبے میں

خلفائے راشدین کا ذکر اہل سنت و جماعت کے شعار میں سے ہے (۶۷)

(۷) اہل سنت کے حلقے سے علاحدہ ہونے والے تمام فرقے بدعتی ہیں اور ان

میں سرفہرست خوارج و روافض ہیں۔ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ۔

”و میان جمع آل طوائف فرقہ خوارج و روافض و دراز معاملہ اند“ (۶۸)

(۸) رواسم شرک و کفر کی تعظیم بھی شرک میں داخل ہے۔ کفر و اسلام دونوں کی

بیک وقت تصدیق کرنے والے اور ان دونوں کے احکام پر مجموعی طور سے عمل

کرنے والے مشرک ہیں۔ یاد رکھو!

احکام فقہت و اقفیت | شرعی احکام پر عمل کرنے کی غرض سے سب سے پہلے ان کا علم ہونا، انہیں سمجھنا ضروری ہے، قرآن و سنن، واجبات و مستحبات حلال و حرام اور مکروہات و مشتبہات کا علم حاصل کیے بغیر صحیح طریقے سے شریعت پر عمل ناممکن ہے۔ اسے اصولی رکن کہتے ہیں۔

احکام شرعیہ پر عمل | اہل سنت کے علمائے حق کی رہنمائی اور آئمہ فقہاء کے مذہب کے مطابق احکام شرعیہ پر پابندی سے عمل کرنا لازمی ہے۔ اسے عملی رکن کہتے ہیں۔

تزکیہ نفس | صوفیائے کرام کی رہنمائی میں تزکیہ و تصفیہ نفس بلاشبہ اسی پر کمال اسلام موقوف ہے۔ اسے استحضانی رکن کہتے ہیں۔

دفتر اول کے مکتوب ۱۵۷ میں اسی ترتیب سے ضابطہ شریعت کے ارکان اربعہ کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ضابطہ شریعت کے یہ چاروں ارکان ایک دوسرے سے اس طرح منسلک و مربوط ہیں کہ ان پر مجموعی طور سے باضابطہ عمل کر کے ہی مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان بنتا ہے۔ یہ چاروں ایک دوسرے کے متمم و تکملہ ہیں۔ جس طرح سنت فرض کی مکملہ ہے، یہی نوعیت ان چاروں کی ہے، ان کے علاوہ جو کچھ بھی ہے فضولیات میں شامل ہے۔ اس حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے حکیم عبدالوہاب کو تحریر فرماتے ہیں کہ۔

”بعد ازیں چہار رکن با مہتمات و مکملات اینہا، کما ارسلنا
حکیمۃ للفرض بہرچہ ہست از فضول است“ (۷۱)

اس لیے صرف اور صرف اسی ضابطہ شریعت کی مکمل پابندی سے فلاح دارین مل سکتی ہے۔ ان کے علاوہ کسی اور بات کو ماننا ”فضولیات“ میں شامل ہوگا۔ اور ”مالا یعنی“ کے دائرے میں داخل۔ مسلمان وہی ہے جو ”مالا یعنی“ (فضولیات) کو ترک کر کے صرف ”مالا یعنی“ (شرعی ضابطہ) کی پابندی پوری لگن سے کرتا ہے اسی لیے حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ۔

وَمِنْ حُسْنِ الْإِسْلَامِ الْمَرْءُ تَرَكَ مَا لَا يَعْنِيهِ وَاسْتَعَالَ
بِمَا يَعْنِيهِ - (۷۲)

نفاذ شریعت میں ارباب اقتدار کا کردار

اس شرعی ضابطے کے تحت نفاذ شریعت ارباب اقتدار پر فرض ہے۔
گوئے توفیق و سعادت درمیاں افگنداند۔ کس بمیداں در نمی آید سواراں راجہ شد
آپ نے تکلیف و نفاذ شریعت کے لیے ارباب اقتدار کے کردار پر سب سے زیادہ
زور دیا ہے۔ کیونکہ ان کی غفلت و تساہل سے ہر طرف فتنہ و فساد پھیل جاتا ہے۔
لاقانونیت، انتشار اور بدامنی کی لہر دوڑ جاتی ہے اور قتل و غارتگری، لوٹ کھسوٹ کا بازار
گرم ہو جاتا ہے۔ اس لیے ادا امر کی مفید تکلیف شرعی ہے جو باعث رحمت نہیں، سرچشمہ
رحمت ہے۔ حضرت خواجہ عبداللہ اور خواجہ عبید اللہ کو اس نظام شریعت کی پابندی
اور اس کی افادیت پر تحریر فرماتے ہیں۔

”نظام عالم منوط باین تکلیف است کہ ہر یکے رابطہ طور خود می گزارا شدند، غیر
از شرارت و فساد بظہور نمی آید۔ و ہر یو الہوس و نفس و مال و گریے دست
درازی می کرد و از خبت و فساد پیش می آید ہم خود ضائع می شد و ہم او
راضائع می ساخت۔ عیاذا باللہ اگر زواج و موانع شرعی نمی بودند۔“

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ
اگرچہ جو حکم نہ باشد ز پیئے۔ کندی زنگی مست در کعبتے
بآن کہ گویم کہ او تعالیٰ مالک علی الاطلاق است و عباد مملوک او بند سبحانہ
پس ہر حکم او تصرفی کہ در ایشان فرماید، عین خیر و صلاح است و از
شائبہ ظلم و فساد منزه است (۷۳)

اس لیے نفاذ شریعت اور نظام اسلام کے قیام میں بادشاہ یا سربراہ مملکت کو طبری

حیثیت حاصل ہے حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں
اسی لیے حضرت شیخ فرید کو لکھتے ہیں کہ اس جہان میں بادشاہ کی حیثیت دل کی طرح
ہے۔ حرکت قلب میں خلل پڑنے سے سارا جسمانی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔
بالکل اسی طرح بادشاہ باکرہ دار نہ ہو تو نظام مملکت میں نزاع کی کیفیت پیدا
ہو جاتی ہے تحریر فرماتے ہیں کہ۔

”بادشاہ نسبت بعالم در رنگ دل است۔ بدایں کہ اگر دل صلاح است

بدن صلاح است و اگر فساد است فاسد۔ صلاح بادشاہ صلاح عالم

است و فساد او فساد عالم (۷۴)

خان جہان پر بادشاہ کے اس اہم کردار کو واضح کرنے کے لیے تحریر فرماتے ہیں کہ

”بادشاہ کی حیثیت روح کی طرح ہے۔ روح صحت مند ہے تو جسم بھی

صحت مند ہے روح فاسد ہوگی تو جسم میں بھی فساد پھیل جاتا ہے“ (۷۵)

اکبری دور الحیا ختم ہوتے ہی وہ تمام رکاوٹیں ختم ہو گئیں جو نفاذ شریعت کی راہ میں

حائل تھیں۔ یہ خوشخبری سننے ہی کہ بادشاہ بھی نفاذ شریعت کی طرف رجحان رکھتا ہے

عوام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور وہ ہر طرح سے حتیٰ کہ بزور قوت دست دباؤ بھی

اس کا ساتھ دینے پر تیل گئے۔ ان حالات کا احساس دلاتے ہوئے شیخ فرید بخاریؒ

کو تحریر فرماتے ہیں کہ۔

”امردز کہ نوید زوال مانع دولت اسلام بشارت جلو بس بادشاہ

اسلام بگوش خاص و عام رسیدہ، اہل اسلام بر خود لازم دانستند

کہ مدد و معاون بادشاہ باشند و ترویج شریعت و تقویت ملت

نمایند۔ ایس امداد و تقویت بزبان میسر شود، خواہ بدست“ (۷۶)

اس لیے آپ بے قرار ہو کر یہی کوشش فرماتے ہیں کہ بلا تاخیر نفاذ شریعت کا عمل

شروع ہو جائے کیونکہ مزید تاخیر ٹال مٹول اور تساہلی سے مسلمان ان گنت دشواریوں

میں پھنس جائیں گے۔ اسی مقصد سے لالہ بیگ کو تحریر فرماتے ہیں کہ۔

حجرت ابوداؤد نے بادشاہت اگر مسلمان رواج یافت و مسلمانان اعتبار
 پیدا کر دند۔ فہما۔ واگر عیاذ باللہ سبحانہ در توقف افتاد، کار بر مسلمانان
 بسیار مشکل خواهد شد۔ الغیث، الغیث، ثم الغیث الغیث (۷۷)
 اس بنا پر آپ کی خواہش ہے کہ جہانگیری اُمرا کے بڑے ہیں اور علمائے دیندار،
 کی خدمات حاصل کر کے نفاذ شریعت میں بادشاہ کا ہاتھ بٹائیں، ہر طرح سے اسکا
 ساتھ دیں۔ اور شاہی اقدامات کو کامیاب بنانے کے لیے اپنے سارے ذرائع
 استعمال کریں۔ حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ کو اس بات کا احساس ہے کہ بادشاہ،
 عقیدتمند امر اور علمائے حق نفاذ شریعت کی مثلث کے تین اہم بازو ہیں اور ان تینوں
 کے مؤثر و فعال کردار ہی سے اسلامی نظام نافذ العمل ہو سکتا ہے۔ آپ کو اپنی بے بضاعتی
 کا احساس ہے لیکن ذات خداوندی پر اعتماد کامل ہے کہ ان تینوں کو ایک مرکز پر جمع کر کے
 آپ اس گوہر مقصود کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ مفتی اعظم صدر جہاں کو
 تحریر فرماتے ہیں کہ سادات عظام اور علمائے کرام مل کر مسلمانوں کی رہنمائی کریں گے
 اور دین مبین کی تنعید و اشاعت کا فریضہ سرانجام دیں گے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

”یقین است کہ مقصد ایان اسلام از سادات عظام و علمائے کرام در
 خلا و ملا متصدی از یاد این دین منین و تکمیل این صراط مستقیم خواهند بود
 بے سرد بر گئے دریں باب بیخیز دراز نفسی نماید“ (۷۸)

اسی بات پر زور دیتے ہوئے صدر جہاں کو تحریر فرماتے ہیں کہ۔
 ”اب جبکہ بادشاہت میں انقلاب رونما ہو چکا ہے اور دیگر مذاہب کا
 عناد بھی ختم ہو رہا ہے تو علماء و وزراء دونوں پر لازم ہے کہ ترویج
 شریعت پر پوری پوری توجہ مبذول کریں۔ اور سب سے پہلے ارکان
 اسلام کو از سر نو قائم کریں“ (۷۹)

اور بادشاہ کو تو مرکزی و کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ اس لیے اپنے عقیدتمند امر میں
 سے ہر ایک پر زور دیتے ہیں کہ بادشاہ کو بار بار اور ہر موقع پر اس مقدس کام پر

آمادہ کرتے رہیں۔ خان جہان پر زور دیتے ہیں کہ۔

”بادشاہ اہل سنت میں سے ہے اور حنفی مذہب رکھتا ہے۔ چونکہ وہ آپ کی ہر بات توجہ سے سن کر مان لیتا ہے اس لیے اسے کلہو حق سماتے رہیں تو پھر آپ کو بہت بڑی سعادت مل جائے گی۔ موقع کے منتظر رہا کریں، جوں ہی موقع ہاتھ آئے اسے دین حق کی تلقین کریں اور کفر کے ابطال پر بھی زور دیتے رہیں“ (۸۰)

آپ بار بار امرار پر زور اس لیے دیتے ہیں کہ بادشاہ ہی کے فرمان سے نفاذ شریعت کا عمل موثر اور تیز ہو سکتا ہے۔ آپ اسی بات کو یوں فرماتے ہیں کہ۔

الْشَّرْعُ قُحْتُ السَّيْفِ

یعنی شریعت تلوار ہی کے تحت موثر انداز میں نافذ العمل ہو سکتی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ شریعت تلوار کی ٹوک پر یا ڈنڈے کے بل پر نافذ ہو سکتی ہے بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ بادشاہ، سربراہ مملکت اور آباء اقتدار کے حکم پر ان کے فرمان سے اور ان کی ایما پر تنفیذ یہ اور انتظامیہ کے ادارے اسلامی نظام کو نافذ کرتے ہیں اور اوامر و نواہی نیز حدود و تعزیرات کو جاری کر کے اسے موثر انداز میں قائم رکھتے ہیں۔

اکبر آئہ آبادی اسی لیے فرماتے ہیں کہ

”ہو مذہب میں گزرور حکومت:۔ تو وہ کیا ہے فقط ایک فلسفہ ہے

اسی حقیقت کا احساس دلاتے ہوئے خان اعظم کو تحریر فرماتے ہیں کہ۔

”عقلانے یہ کیا خوب کہا ہے کہ ”الشرع قحنت السیف“ یعنی شریعت کا

نفاذ اور باب اقتدار سے وابستہ ہے اور شریعت کی رونق سلاطین

کے دم سے ہے لیکن آج کل معاملہ بالکل برعکس نظر آتا ہے ایسے

عالم میں کفر و اسلام کے معرکے میں آپ جیسے مرد میدان کی ضرورت

ہے اللہ تعالیٰ آپ کا موید و ناصر ہو“ (۸۱)

فرقہ ناجیہ — اہل سنت و جماعت

حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ صرف اور صرف اہل سنت و جماعت کو فرقہ ناجیہ قرار دیتے ہیں۔ دوسرے ۷ فرقوں کو آپ غیر ناجی، گمراہ، بدعتی اور باطل فرقے سمجھتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک خود کو حق پر سمجھتا ہے اور حزب اللہ میں شامل کر کے خوشی و مسرت کا اظہار کرتا ہے۔ لیکن پیغمبر برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرقہ ناجیہ کی تین روپچان کے لیے ایک اہم علامت کی نشان دہی فرمائی ہے اور وہ علامت ہے ارشاد نبوی کے مطابق کہ صرف وہی حق پر ہیں جو میری سنت اور میرے اصحاب کی سنت پر عمل پیرا ہیں۔ فرمان رسالت ہے کہ

الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ مَا آتَانَا عَلَيْهِمْ وَأُصْحَابِي (۸۲)

اس لیے وہی فرقہ نجات اخروی کا مستحق ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طریقوں کی اتباع کر کے احکام شریعت کی تعمیل بجلائے کہونکہ آپ کے صحابہ کی اطاعت کے بغیر آپ کی اطاعت کی شرط پوری نہیں ہو سکتی اس لیے اطاعت خداوندی کا تصور ہی ان دونوں کی اطاعت کے بغیر داخل معصیت ہے۔ جو اتباع صحابہ کے بغیر اپنی نجات کا خواب دیکھ رہے ہیں وہ خود فریبی کا شکار ہیں۔ اور زعم باطل میں مبتلا و حقیقت جھوٹے اور ریاکار ہیں۔ اَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَافِرُونَ، دیکھو! پچا لو یہی تو جھوٹے اور دروغ گو ہیں۔ چونکہ اہل سنت اتباع رسالت کے تحت اتباع صحابہ کو اپنا شعار مانتے ہیں اس لیے مذکورہ فرمان نبوی کے مطابق نجات اخروی اور فلاح سمدی کے حق دار، حق گو، حق پرست فرقہ ناجیہ کہلانے کے مستحق صرف اور صرف اہل سنت و جماعت ہیں۔

اس حق بات کی تائید میں مرزا فتح اللہ حکیم کو تحریر فرماتے ہیں کہ۔

”ذکر نیست فرقہ کہ ملتزم اتباع اصحاب آنسوراند علیہم وعلیہم الصلوٰۃ
والتسلیمات اہل سنت و جماعت اند تنکر اللہ سعیہم و فہم الفرقۃ الناجیہ (۸۲)“

حضرت امام ربانی فرماتے ہیں کہ اصحاب پیغمبر رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر طعن کرنا بولے خود بخود
 اتبار پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سعادات سے محروم ہو گئے۔ اس لیے رافضیہ خارجی، معتزلی
 مذہب محدث بابتی مذاہب کے پیرو ہیں۔ اہلسنت کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ
 اصحاب سید البشر کے بغض و عداوت نہیں رکھتے۔ اسی لیے وہ حضرت عثمان - حضرت علی -
 حضرت معاویہ یا کسی اور صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تنقیص گوارا نہیں کرتے بلکہ ان کی تعظیم
 و توقیر کو اپنا شعار سماتے ہیں۔ لیکن خارجی ان کی تنقیص میں جھجک محسوس نہیں کرتے اس لیے
 وہ غیر ناجی، گمراہ اور بدعتی ہیں۔

اہل سنت کی سب سے بڑی شناخت یہ ہے کہ وہ تفصیل شیخین (حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما)
 اور مودتِ نختین (حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہما) پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس لحاظ سے حضرت
 علی رضی اللہ عنہ سے محبت و عقیدت اہل سنت ہونے کے لیے شرط ہے۔ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ
 یہی بات محمد تقی کو تحریر فرماتے ہیں کہ۔

”پس محبت امیر شرط تسنن آمد و انکہ این محبت ندارد از اہل سنت
 و جماعت خارج گشت و خارجی نام یافت“ (۸۴)

بالکل اسی طرح وہ جماعت بھی حق پر نہیں جو حضرت علی سے اظہار محبت و عقیدت میں
 افراط و غلو پر اتر آئی ہے اور نہ صرف خلفائے راشدین میں سے اولین تین اصحاب کرام رضی
 اللہ عنہم بلکہ دوسرے کسی اصحاب خیر البشر رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر سب و شتم اور طعن بھیجنے کو اپنا جزویاں
 سمجھتی ہے۔ چونکہ اس جماعت نے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین کے طریقوں کو منسوخ
 کر دیا ہے۔ اس لیے رافضی کے نام سے مشہور ہوں۔

اہل سنت و جماعت نے متوسط، اعتدال کی راہ اختیار کی نہ تو روافض کی طرح محبت
 امیر میں غلو و افراط برتتے ہیں اور نہ ہی خوارج کی طرح آپ کی تفریط و تنقیص گوارا کرتے
 ہیں۔ اسی لیے یہ وسط میں رہے اور وسط میں رہنے والے حق پر قائم رہتے ہیں۔ حضرت
 امام ربانی اسی بنا پر انہیں برحق فرقہ ناجیہ قرار دیتے ہیں تحریر فرماتے ہیں کہ۔
 ”پس اہل سنت متوسط اندر میان اصراط محبت امیر و تفریط آن محبت۔“

” پس اہل سنت متوسط اندر میان افراط و تفریط آں
کہ روافض و خوارج اختیار کردہ اندو شک نیست کہ حق در وسط
است و افراط و تفریط ہر دو مذموم“ (۸۵)

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ محبت امیرِ رافضی
نہیں بلکہ خلفائے ثلاثہ سے اظہارِ بیزاری کو رافضی کہتے ہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ
حب آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رافضی قرار دیا جائے تو سارے جن و انس گواہی دیں گے
کہ ہم بھی رافضی ہیں۔

لَوْ كَانَ رَفُضًا حُبُّ آلِ مُحَمَّدٍ ۖ فَا لَيْسَ مِنَ الثَّقَلَيْنِ اِنِّي رَافِضٌ
حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل سنت صرف اس بات کے گنہگار ہیں
کہ وہ محبت اہل بیت کے ساتھ تمام اصحاب کرام کی تعظیم و توقیر کو اپنا شعار قرار دیتے ہیں
اور انہی کو عینِ تسنن سمجھتے ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں کہ۔

” گناہ اہل سنت ہمیں است کہ با محبت اہل بیت تعظیم و توقیر جمع اصحابِ انسور
می نمایند، علیہم الصلوٰت والتسلیمات و بیچیکے راز اینہا با وجود ممتازات
و مخالقات یک دیگر یہ بدی یاد نمی کنند و از ہوا و تعصب دور می دارند و از
جہت تعظیم صحبت پیغمبر علیہ و علی الہ الصلوٰت والسلام و تکریم مصاحبان او
علیہ و علی الہ الصلوٰة والسلام مع ذلک محق را محق می گویند و مبطل را مبطل“ (۸۶)
اسی طریقہ وسطی کو اہل سنت نے اختیار کیا اس لیے وہ برحق ناجی قرار پائے۔

” هَذَا هُوَ الطَّرِيقُ الْوَسْطُ بَيْنَ الْاَفْرَاطِ وَالْتَفْرِيطِ اِخْتَارَهُ اَهْلُ

السَّنَةِ وَهُوَ الطَّرِيقُ الْاِسْلَمُ وَالسَّبِيلُ الْاِحْكَمُ“ (۸۷)

یعنی ” افراط و تفریط کے درمیان یہی طریقہ وسطی ہے جسے اہل سنت نے اختیار

کیا اور یہی محفوظ ترین سلامتی کا راستہ اور مستحکم ترین وسیلہ ہے“

اور اس فرقہ ناجیہ کے برحق ہونے کے حق میں یہ حدیث بھی دلیل کی حیثیت

رکھتی ہے۔ ارشادِ نبوی ہے کہ۔

” میں سلامت سے برحق ہوں اور میں تقسیم ہو جائے گی، انہیں سے سب سے

دوزخ میں ڈالے جائیں گے سوائے ایک کے۔ اصحابِ کرام نے پوچھا کہ وہ ناجی فرقہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ فرقہ جو میرے اور میرے۔
اصحابِ کرام کے طریقے پر چلے گا۔“

لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ باقی فرقے ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے کیونکہ
یہ تو (عذابِ مخلد) کافروں کے لیے مخصوص ہے۔ ہاں یہ فرقے اپنے غلط
عقیدوں کی پاداش میں عذاب (عذابِ موقت) میں مبتلا رہیں گے۔ پھر

نجات ملنے پر جنت میں داخل کیے جائیں گے۔ (۸۸)

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے سید محمود کو تحریر فرماتے ہوئے جو کچھ اس ناجی فرقے
کی حقانیت اور غیر ناجی فرقوں کے ابطال پر مسکت انداز میں تبصرہ کیا ہے وہ آپ کے
تذکرہ بالغ نظری اور رواداری کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ فرماتے ہیں کہ:-

فطوبی لمن وفق لما بعثهم وشرن بتقلیلهم ووسیل

لمن خالفهم واعتزل عنہم ورفض عن اصولہم وخرج

عن زمرتہم فضلوا واضلوا فانکر الرویة والشفاعة وحقی

علیہم فضیلة الصحبة وفضل الصحابة وحرّموا عن

حبة اهل بیت الرسول ومودت اولاد البتول فمنعوا

عن خیر کثیر فالہا اهل السنة (۸۹)

یعنی۔ پس فلاح و خوش حالی کی خوشخبری ہے ان مومنوں کے لیے جنہیں

اہلسنت وجماعت کی متابعت کی توفیق و سعادت ہو حاصل ہوئی اور انکی

تقلید سے مشرف ہوئے۔ اور وائے بدبختی ان لوگوں کی جنہوں نے اہلسنت

کی مخالفت کی اور اعتزال کے مرتکب ہوئے (جیسے معتزلہ) اور ان کے اصولوں

سے بیزار سی ظاہر کر کے ان کی خلاف ورزی کی (جیسے رافضی) اور ان

کے زمرے سے خارج ہو گئے (جیسے خارجی) اور خود گمراہ ہو گئے اور

دوسرے بھی ان کے ورغلانے پر گمراہ ہو گئے۔ پس رویت حق سے منکر

ہو گئے اور شفاعت پیغمبر کی تکفیر کے مرتکب ہوئے۔ صحبت و رفاقت نبوی اور فضل صحابہ سے تجاہل عارفانہ سے کام لیا۔ اور اہل بیت کی محبت اور اولاد بتول کی مودت سے محروم رہے۔ تو پھر اس خیر کثیر سے ہاتھ دھو بیٹھے جو فضل خداوندی سے اہل سنت کو ودیعت ہوئی ہے:

مَقَامِ مُصْطَفَى ﷺ

مَا اِنْ مَدَحْتَ مُحَمَّدًا بِمَا لَسْتُ
لَكِنْ مَدَحْتَ مَقَالَتِي بِمُحَمَّدٍ

ترجمہ:۔ یہ سخن نہ من ستودم ذات محمدی را۔ لکن باسم احمد بستوده ام سخن را (۹)۔
مکتوبات امام ربانی کا ہر ہر لفظ عشق و محبت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوبا ہوا ہے۔ دراصل آپ کے مکتوبات کا عنوان ہی عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس لیے آپ نے مقام و حقیقت مصطفویہ کو انتہائی والہانہ انداز میں سمجھانے کی کوشش فرمائی ہے تاکہ ہماری عقل و فکر کا محور آپ ہی کی ذات اقدس رہے اور ہمارا قدم اتباع رسالت میں لغزش کھانے سے بچا رہے۔

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے بار بار اپنے مکتوبات میں یہی فرمایا ہے کہ
”محبوب رب العالمین“ صلی اللہ علیہ وسلم رضائے رب العالمین کا نمونہ ہیں حضرت شیخ درویش کو تحریر فرماتے ہیں کہ۔

”محبوب اپنے محب کی پسند ہوتا ہے، اس لیے اس نے اپنے محبوب کو وہ سب کچھ عطا فرمایا جو اس کے پاس تھا، اسی لیے ارشاد فرماتا ہے کہ۔
اِنَّكَ لَعَلَىٰ خَلْقٍ عَظِيمٍ۔ بلاشبہ، یقیناً آپ خلاق عظیم کے سپیکر ہیں۔ اس طرح آپ کو ”خلاق عظیم“ کی مندر پر جلوہ افروز فرما کر ساری کائنات پر واضح فرمادیا کہ آپ ہی سارے نبیوں اور رسولوں

میں امتیازی شان سے اپنی تمام جلوہ فرمائی کے ساتھ صراطِ مستقیم
راہ ہدایت اور سیدھے راستے کے مالک وہ صاحب ہیں۔

”انک لمن المرسلین علی صراطِ مستقیم“

یعنی۔ بلاشک آپ ہی کو تمام پیغمبروں میں برگزیدہ قرار دیکر ”صراطِ مستقیم“ کا اصل
بنادیا گیا۔ اور یہی نہیں بلکہ آپ ہی کو صراطِ مستقیم قرار دیکر ہدایات
صادر فرمادیں کہ دیکھو، اسی کی پیروی کرو، کسی اور راستے کی طرف
بھٹک نہ جانا ورنہ دوزخ و عتابِ خلد تمہارا مقدر بن جائے
گی۔ ارشاد ایزدی ہے کہ۔

ان هذا صراطی مستقیماً تا تبعوہ ولا تتبعوا السبل

یعنی۔ بلاشبہ یہی تو ہے میری صراطِ مستقیم، تو پھر اسی کی پیروی کرتے رہو اور
دوسرے راستوں کی پیروی مت کرو۔

حضرت امام ربانیؒ فرماتے ہیں کہ اس طرح ارشاد ایزدی کے مطابق آپ کی ملت
بھی صراطِ مستقیم قرار پائی اور آپ کے دین کے علاوہ ہر دین کو مفضوبوں اور گمراہوں
میں شامل فرما کر ان کی پیروی سے ممانعت فرمائی۔ اسی لیے خود ارشادِ نبوی کے مطابق
اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذاتِ اقدس کو نعمتِ کبریٰ قرار دیا تاکہ ساری کائنات اس عطیہ
نعمت کے بدلے اس کا شکر ادا کرتی رہے آپ ساری مخلوقات کے لیے ”اعلامیہ برحق“
اور ”ہدایت ربانی“ ہیں اسی لیے آپ کو حسن سیرت کا نمونہ کامل بنا کر اس نے مبعوث
فرمایا۔ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تو یہی ہے کہ۔

”اظهار الشکر و اعلاء الخلق و ہدایت الہم خیر الہدی

ہدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم“

یعنی۔ اظہارِ شکر ”اعلامیہ خلق“ اور ان کی ہدایت کی غرض سے سیرتِ محمدی کو
خیر و خوبی کی سیرت کا نمونہ بنا دیا۔

اور یہ بھی محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا ہے کہ۔

”ادبِ نبی فاحسن تادیبی“

یعنی۔ میر رب نے مجھے آداب و اخلاق کی تعلیمات دیں تو پھر اچھے سے اچھے

نمونے سے آداب و اخلاق کے زیور سے آراستہ فرما دیا (۹۱)

اس طرح آنسرور محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف ہمہ کمالات اسمائی و صفاتی کے جامع ہیں بلکہ ان سب کمالات اسمائی و صفاتی کے مظہر اتم بھی ہیں اس حقیقت سے یہ بات خود بخود لازم آجاتی ہے کہ جو بھی آپ کا منکر ہے وہ کمالات اسمائی و صفاتی کا منکر بھی ہوا۔ اور منکر رسول منکر خدا ہونے کی وجہ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مقہور و مفضوب بن گیا۔ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ۔

”ہم جنیں است انکار از آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام انکار از جمع کمالات

اسمائی و صفاتی و تصدیق او تصدیق است: جمع انہا (۹۲)

اور انہیں کمالات اسمائی و صفاتی کا مظہر معراج محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی خوشی سے اپنی انوار تجلیات کی نعمتوں سے آپ کو اتنا اور اس قدر فیضیاب فرمایا کہ مسرت و خوشی کے مارے خوش خوش ہو کر آپ جھوم جھوم اٹھے۔ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ کتنے کمال کی نعمت کبریٰ ہے کہ اپنے محبوب کو بلا کر اپنی بارگاہ میں اپنے پاس بلا کر اپنے جلوؤں کی بارش میں اپنے دیدار سے سرفراز فرمایا، اسی لیے آپ تحریر فرماتے ہیں کہ۔

”شب معراج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیدار خداوند سے اس دنیا

میں نہیں، اس دنیا کے آخرت میں سرفراز ہوئے۔ زمان و مکان سے

بالا تر ہو کر اور کائنات کی حدود سے کہیں آگے نکل کر آپ نے اپنی چشم

مبارک سے ان واحد میں بلا حجاب ازل وابد کا مشاہدہ فرمایا ایسے

عالم میں کہ ہدایت و نہایت (ابتداء و انتہا) ایک نقطے پر مرکوز و متحد دکھائی

دے رہی تھیں۔ پس آپ کی یہ رویت دراصل ”رویت آخرت“

ہے اور اس عالم بالا میں دیدار خداوندی سے آپ سرفراز ہوئے اس

کے سبھی علماء قائل ہیں (۲۱۹۳) آپ کا یہ تبصرہ "فادھی الی غدوہ ناؤسی" کی مندرجہ ذیل تفسیر ہے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اسکا بصر و علم و غیر جہل شانہ نے علم و تعلیم کی ہر منزل سے بیک جنبش چشم "فیضیاب فرما کر جتنی بھی کائنات (UNIVERSES) اس نے تخلیق فرمائی ہیں، خواہ ہم ان سے واقف (KNOWN) ہیں یا ناواقف (UNKNOWN) ان کا اور ان کی مخلوقات کا باخبر و با بصیرت عالم و شاہد کون و مکان و زمان بنا دیا۔ اس لیے کسی بھی نوع کا علم ہو۔ علم الیقین ہو یا عین الیقین، حق الیقین ہو یا اس سے بھی ماورا اور ماورا کا علم اس قادر مختار و مطلق نے اپنی مرضی و منشا سے اپنے محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو ودیعت فرما دیا ہے اس لیے ماضی، حال اور مستقبل کے تمام تصورات (CONCEPTIONS) اپنی با بصیرت بالغ نظر مبارک و مقدس آنکھوں کے پردہ لدنی پر مرکوز (PERCEPTIONS) فرما کر ان کے مشاہدات (OBSERVATIONS) یا تجربات (EXPERIMENTS) عواقب و نتائج (CONSEQUENCES) حشر (END) اور نشر (RESURRECTIONS) کا علم حاصل کرنے کی جو طاقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو ودیعت فرمائی ہے اس کا منکر خود قرآن اور اللہ جل شانہ کی قدرت کا منکر ہے۔

اس لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ الہی کی محبوب ترین و مقرب ترین اور برگزیدہ ترین امتی ہوئے اسی بنا پر حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ آپ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے افضل ہوئے۔ اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے عالم انسانیت کا امام بنایا، اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَاہًا، اور سید البشر محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی کہ اَتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰہِیْمَ حَنِیْفًا، حضرت ابراہیم کی ملت حنیفہ کی پیروی کی جائے۔ پھر بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آپ کی فضیلت امر بدیہی ہے۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے خلیل ہیں اور آپ اس کے حبیب و محبوب ہیں۔ مخدوم زاودہ حضرت خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کو تحریر فرماتے ہیں کہ۔

"فضل کلی" حضرت ابراہیم علیہ السلام اور الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مرکوز

ہے اور ان دونوں میں آپ افضل ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حبیب یعنی محبوب ہیں۔ اسی لیے آپ حضرت ابراہیم سے افضل ہوئے۔ (۹۴)

اور اسی محبت کی نشانی یہ ساری کائنات ہے۔ یہی محبت خُرق ہونے تو مخلوقات کا ظہور عمل میں آیا۔ اگر محبت محرک نہ ہوتی تو پھر تخلیق و ایجاد کا بہ نامظاہرہ ہی نہ ہوتا۔ اسی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا حسن دہلوی کو تحریر فرماتے ہیں کہ ”اس فقیر پر جو کچھ منکشف ہوا ہے وہ یہی ہے کہ تعین و ظہور جی ہی منشائے ظہورات اور مبداء خلق مخلوقات ہے۔ سب سے پہلے جو شے ظاہر ہوئی وہ حب ہے اگر حب (محبت) نہ ہوتی تو تخلیقات و ایجادات کا دروازہ ہی نہ کھلتا۔ یہیں پہ اس حدیث کا مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے کہ لَوْلَا كَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاقَ، اگر آپ نہ ہوتے تو پھر میں اس کائنات کو آخر کس کی خاطر پیدا کرتا“ (۹۵)

پس حقیقت محمدی ہی تعین اول حقیقت وجودی کا مرکز و محور ثابت ہوئی اسی بنا پر حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ حقیقت محمدی کو ”حقیقۃ الحائق“ قرار دیتے ہیں ارشاد فرماتے ہیں کہ ”حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ظہور اول“ اور حقیقۃ الحقائق ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسری تمام حقیقتیں مثلاً حقیقت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور حقیقت ملائکہ سب اسی کے ظلال ہیں اسی سے منعکس ہیں اس لیے وہ سب حقائق کی اصل ہے اسی لیے اسے (حقیقت محمدی) حقیقۃ الحقائق کہتے ہیں۔ خود آپ کا ارشاد ہے کہ، اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُورِی، اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جو چیز پیدا کی وہ میرا نور ہے۔ یہ بھی آپ نے فرمایا ہے کہ خَلَقْتُ مِنْ نُورِ اللّٰهِ وَالْمُؤْمِنُونَ مِنْ نُورِی، مجھے اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا اور تمام مومن میرے نور سے پیدا ہوئے ہیں“ (۹۶)

وسیلہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

اس سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ جلّ شانہ اور دیگر تمام حقیقتوں کے درمیان مرکزی واسطے اور وسیلے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے آپ کے واسطے اور وسیلے ہی سے قرب خداوندی کی سعادت مل سکتی ہے۔ آپ کی شفاعت کے بغیر نہ تو فلاح نصیب ہو سکتی ہے۔ اور نہ نجات اُخروی، اسی مکتوب میں حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ واضح فرمادیتے ہیں کہ۔

”پس حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ اور باقی تمام حقیقتوں کے درمیان واسطہ ہے اور اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے اور وسیلے کے بغیر کوئی بھی مطلوب تک نہیں رسائی حاصل کر سکتا۔ پس آپ تمام نبیوں کے نبی ہیں اور آپ کی بعثت بلاشبہ تمام کائنات کے لیے رحمت ہے اور اسی لیے آپ ”رحمۃ اللعالمین“ ہیں اور یہی وجہ ہے کہ تمام انبیائے اولوالعزم آپ کی اتباع کے متمنی رہے اور آپ کی امت میں شامل ہونے کی آرزو کرتے رہے۔“ (۹۷)

شان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی محبت و عقیدت کے پھول بچھا کر کرتے ہوئے حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ حضرت شیخ فرید بخاری کو لکھتے ہیں کہ۔

”پس میں یہ سمجھنے کی سعادت حاصل کرنا ہوا اور اللہ سبحانہ تعالیٰ سے دعاگو ہوں کہ مجھے لغزشوں سے محفوظ رکھے اور توفیق عطا فرمائے کہ میں یہ حق ادا کر سکوں کہ۔“

بلاشک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولاد آدم میں سب سے برگزیدہ تھے ہیں اور روز قیامت آپ ہی کی ذات واحدات اقدس ہوگی جس کی اتباع

میں پیچھے پیچھے عالم انسانیت کا جسم غیر سوگا اور اللہ کی نظر میں اولین و آخرین میں آپ ہی سب سے بزرگ ہیں اور آپ ہی کو اپنی قبر سے سب سے پہلے ظاہر ہونے کا شرف حاصل ہوگا، آپ ہی کو اول شافع، اور اول مشفع، کا اعزاز ملے گا یعنی شفاعت کرنے میں آپ ہی سبقت فرمائیں گے، اور آپ ہی کی شفاعت سب سے پہلے بارگاہ ایزدی میں شرف قبولیت حاصل کرے گی۔

”اور آپ ہی کی سب سے پہلی ہستی ہوگی جو جنت کا دروازہ سب سے پہلے کھٹکھٹائے گی۔ تو پھر اسی لمحے اللہ تعالیٰ آپ کے لیے اسے کھول دے گا۔ اور یوم قیامت حمد و ثنائے خداوندی کا جھنڈا لوائے حمد آپ ہی کے دست اقدس میں لہرا رہا ہوگا اور اس جھنڈے کے سائے میں حضرت آدم کھڑے ہوں گے۔ پس آپ ہی کی ہستی اللہ سے قریب ترین ہوگی اور اس کا ایک حصہ نظر آئے گا۔ یہ آپ ہی کا ارشاد ہے کہ بروز قیامت ہمیں ”اولون ہوں گے اور ہمیں ”آخر دن“ اور میں یہ بات کسی قسم کے فخر و غرور سے بالا تر ہو کر کہہ رہا ہوں۔ اور میں اللہ کا حبیب اور تمام مسلوں کا قائد ہوں اور میں یہ بات فخریہ نہیں کہتا۔ اور میں خاتم النبیین ہوں اور یہ بات فخریہ نہیں کہتا۔“

”اور میں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہوں بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے خلق کو پیدا فرمایا اور مجھے اپنی ساری مخلوقات میں بہترین قرار دیا۔ پھر ساری مخلوقات کو دو فرقوں میں تقسیم کر دیا اور مجھے ان میں سے برگزیدہ ترین فریق میں مبعوث فرمایا۔ پھر ان فرقوں کو قبیلوں میں منقسم کر کے مجھے سب سے برگزیدہ قبیلے میں مبعوث فرمایا۔“

پس میں سب سے برگزیدہ ہستی ہوں۔ میرا گھرانہ سب سے شریف گھرانہ اور میں ”اول الثامن“ ہوں یعنی بنی نضر انسان میں مجھی کو اولیت حاصل ہے پس میں ہی روز قیامت سب سے پہلے اپنی قبر سے ظاہر ہوں گا۔ جب لوگ دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور بارگاہ الہی میں لوگ دفن و دفن

حاضری دیں گے تو میں ان کا قاتد ہوں گا اور جس وقت انہیں بولنے کی ہمت
 نہیں رہے گی تو میں ان کی پیروی میں بارگاہ ایزدی سے خطاب کروں
 گا۔ اور جب انہیں جلس و قید کی سزا ملے گی تو میں ہی ان کے لیے شفاعت
 کی درخواست کروں گا اور جب وہ بالکل مایوس ہو جائیں گے تو میں انہیں
 نجات کی خوشخبری سناؤں گا۔“

”پس اس روز (روزِ قیامت) شرف و فضیلت عطا کرنے اور بابِ نجات
 داکر نے کی کنجیاں میرے ہاتھ میں ہوں گی۔ اور اس روز ”لوائے حمد“
 بھی میرے ہی ہاتھ میں ہوگا۔ اور میں اپنے رب کی نظر میں اولادِ آدم
 میں سب سے بڑھ کر منظور نظر ہوں گا۔ اور میرے چاروں طرف ”بیضے
 مکنون“ کی طرح مصفیٰ و مطہر ہزاروں خادم ہوں گے۔“

”اور جب قیامت کا دن آئے گا تو میں سارے نبیوں کا امام اور ان کا ترجمان
 ہوں گا۔ اور ان کے درمیان صاحبِ شفاعت کے اعزاز پر فائز ہوں گا
 اور یہ بات میں فخریہ نہیں کہتا۔“

”اگر آنسور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت نہ ہوتی تو پھر اللہ سبحانہ خلق کو پیدا
 ہی نہ فرماتا۔ اور یوں اپنی نشانِ ربوبیت کا مظاہرہ نہ فرماتا۔ اور اس وقت
 بھی نبی کی حیثیت سے آپ کا وجود تھا جب حضرت آدم علیہ السلام آب و
 خاک کی عبوری منزل (TRANSITIONAL STAGE) سے گزر رہے تھے“ (۹۸)

ان مکتوبات سے اہل سنت و جہالت کے عقیدے کے مطابق آنسور صلی اللہ علیہ وسلم
 کے عقیدہ ختم نبوت کی تمام خصوصیات واضح ہو جاتی ہیں۔ اگر کوئی بد عقیدہ آپ کو
 شفیع المنین، خاتم النبیین، رحمتہ للعالمین، امام الاولین والآخرین، نور مجسم، شافع
 اول، شفیع اول اور سب سے بڑھ کر حقیقۃ الحقائق نہیں مانتا تو وہ منکر خدا کے عذاب
 محفل سے بچ نہیں سکتا۔

مقام صحبہ رضوان اللہ علیہم اجمعین

اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ تمام انبیائے کرام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی سارے بنی نوع انسان سے افضل و بزرگ ہیں۔ یہ دنیا کی تمام امتوں میں سب سے زیادہ برگزیدہ ہیں فرمان ایزدی، **كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ** اسی حقیقت پر نص قطعی کے حیثیت رکھتا ہے۔ ان سارے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم میں اس قدر گہری موثرت، محبت اور اخوت قائم تھی کہ خود اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہو کر گواہی دیتا ہے کہ **رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ** یہ تو آپس میں شیر و شکر کی طرح رحمت و شفقت کے رشتے سے منسلک ہو گئے ہیں۔

”اس لیے ان بزرگوں کے حق میں یہ گمان رکھنا کہ یہ آپس میں ایک دوسرے سے

دشمنی رکھتے تھے، گویا نص قرآنی کی تکذیب کرنا ہے۔ (۹۹)

”ان اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت تک کون پہنچ سکتا ہے، جس طرح کسی پیغمبر کی ہمسری کا دعویٰ کرنا کفر ہے بالکل یہی حشر ہر اس شخص کا مقدر بن چکا ہے جو اصحاب کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کی برابری وہم سری کی جسارت کر سکے۔ یہ متفقہ اجماعی فیصلہ ہے کہ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو سائرا امت حتیٰ کہ اولیائے عظام پر بھی فضیلت حاصل ہے۔“

”ارشاد نبوی ہے کہ اگر تم میں سے کوئی راہ خدا میں کوہ احد کے برابر سونا

بھی لٹا دے تو بھی اس کی قدر و قیمت کسی صحابی کے ان نیم مدد نصف من) جو کے

برابر نہیں ہو سکتی جو فی سبیل اللہ خرچ کیے گئے ہوں (۱۰۰)

”اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو یہ فضیلت رفاقت نبوی کی برکت سے حاصل ہوئی۔ یہ سب

کے سب حضور الفز صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق و ہمدم، ہمسر و ہم نشین رہے نہ صرف ہمدم

آپ کے دم قدم کے ساتھ رہے بلکہ آپ کی حضوری سے آخر دم تک فیض یاب ہوتے رہے

ایسی صورت میں عام مسلمانوں کی کیا حیثیت، اولیائے امت کس شمار میں آسکتے ہیں (۱۰۱)

اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو یہ فضیلت و بزرگی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے قربت
جسمانی کی بدولت ملی، اور یہ حقیقت ہے کہ اسی جسمانی قربت سے دلوں کی کاپیلٹ جاتی ہے۔
مرزا احسام کو تحریر فرماتے ہوئے حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ اسی نکتے کی وقاحت
یوں فرماتے ہیں کہ۔

”واضح ہو کہ جسموں کی قربت دلوں کو قریب لانے میں بڑی تاثیر رکھتی
ہے اسی لیے کوئی ولی ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کے مرتبے تک نہیں پہنچ
سکتا۔ ایک مرتبہ کسی نے حضرت عبداللہ ابن مبارک سے دریافت کیا کہ
حضرت معاویہؓ افضل ہیں یا حضرت عمرؓ بن العزیزؓ؟ اس پر انہوں نے
جواب دیا کہ جو غبار خاک رفاقت و محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی حالت میں حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کے نتھنوں میں داخل ہوا
وہ بھی حضرت عمرؓ بن العزیزؓ سے افضل ہے“ (۱۰۲)

اسی بنا پر مرزا فتح اللہ حکیم کو لکھتے ہیں کہ۔

”اس نیکر نے اپنی کتابوں میں یہی لکھا ہے کہ حضرت حمزہؓ کا قاتل وحشی
بھی حضرت اولیس قرنیؓ سے کہیں زیادہ افضل ہے“ (۱۰۳)

حضرت نعمان بدخشی کو فضیلت صحابہ پر ایک انتہائی جامع مکتوب لکھتے ہیں
جس میں اہل سنت و جماعت کے عقیدے کے مطابق روح پرور ایمان افروز ناقابل
تردید دلائل کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں کہ۔

” لا تعدل بالصحة شيئاً كما ما كان - الا ترى ان

اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وبارك فضلوا بالصحة

على من عداهم سوى الانبياء عليهم السلام وان كان

اوليا قرنيا او عمرا و انما مع بلوغهما ينهاية الدرجات

ووصولها غاية الكمال سوى الصحة“ (۱۰۴)

یعنی۔ اس کائنات میں موجود کسی بھی چیز کو صحبت کے برابر قرار مت دو۔

آیا تمہیں یہ حقیقت نظر نہیں آتی کہ رفاقت و صحبت نبوی کی برکت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو انبیاء علیہم السلام کے سوا ہر ایک پر فضیلت حاصل ہوگئی۔ خواہ حضرت اویس قرنیؓ یا حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ ہی کیوں نہ ہوں کہ دونوں صحبت نبوی کے سوا بزرگی و کمالات کے انتہائی مرتبے پر فائز تھے۔

اصحاب کرام کا ایمان تقلیدی نہیں شہودی ہے۔
اسی مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ۔

”پس بلا حیرت صحبت نبوی کی برکت سے حضرت معاویہ کی ایک خطبہ حضرت اویس قرنیؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ دونوں کی تمام نیکیوں سے زیادہ خیر و برکت کی حامل ہے۔ اور حضرت عمر و عثمان عاص سے اگر کوئی بھول چوک (سہو) ہوگئی تو یہ ان دونوں کی محتاط روی (صحو) سے کہیں زیادہ افضل ہے۔ کیونکہ ان اکابر صحابہ کو رفاقت نبوی کی سعادت حاصل ہوئی۔ جمال مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے سیراب ہوئے۔ فرشتوں کی حوی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری میں حاضر ہوتے دیکھا۔ نزول وحی کے مشاہدے سے سرفراز ہوئے اور معجزات نبوی سے اپنی آنکھوں کو طراوت و تازگی بخشی اہل لیے ان تمام فیوضات و برکات کی بدولت ان اکابر صحابہ کا ایمان ”مرتبہ ایمان شہودی“ پر پہنچ گیا ہے۔ اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ کمالات جو سائر کمالات کے اصل اصول ہیں بیک وقت اصحاب کرام کے سوا کسی اور میں جمع نہیں ہوئے۔“ (۱۰۵)

اسی بات پر روشنی ڈالتے ہوئے ملائیکہ صغہانی کو تحریر فرماتے ہیں کہ۔

”اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان تقلیدی نہیں شہودی ہے اور یہ دولت ان کے سوا کسی اور کو میسر نہیں ہوئی۔ ہاں تمام صحابہ نفس رفاقت نبوی کے لحاظ سے فضیلت میں برابر ہیں اس لیے ہمیں ان سب کو بلا تفریق بزرگ سمجھنا چاہیے۔“

اور نیکی سے یاد رکھنا چاہیے کیونکہ یہ سب کلمے سب عدل و روایت حدیث اور تبلیغ احکام میں برابر کا درجہ رکھتے ہیں۔ یہی صحابہ حامل قرآن ہیں۔ اس لیے ان میں سے کسی پر جرح کرنا قرآن حکیم پر جرح کرنے کے مترادف ہوتی۔ پس ہم پر لازم ہے کہ کسی صحابی پر طعن نہ کریں اور ان سب کی توقیر و تعظیم کریں (۲۶)۔

اصحاب کرام سب کے سب جنتی ہیں | تو اتر سے ثابت ہے کہ اصحاب کرام سب کے سب جنتی ہیں۔ ان متواتر روایات سے قطع نظر نص قطعی خود ان کے جنتی ہونے پر شاہد ہے حضرت امام ربانیؒ خواجہ ابوالحسن بدخشی کو لکھتے ہیں کہ خود قرآن مجید ان کے جنتی ہونے پر شہادت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان یہ ہے کہ۔

وَالشَّاقُونَ الْأَوْلُونَ مِنَ الْمُجْرِمِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ
بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي
تحتها الأنهار خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (۱۰۰)

یعنی۔ اور مہاجرین و انصار میں سے جو شاقوں الاولون ہیں اور وہ جنہوں نے ان کی اتباع کی، ان سب سے ان کی نیکیوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا اور یہ بھی اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے تو انہیں کے لیے ایسے باغات (جنتیں) تیار کر دیئے ہیں جن میں نہریں رواں دواں ہیں اور ان باغوں میں یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ابدی زندگی گزاریں گے۔

اس طرح احادیث نبویہ اور نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ اصحاب کرام بلا تفریق و امتیاز جنتی ہیں۔ لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

بالتحقيق اللہ تعالیٰ ان مومنوں سے اسی لمحے راضی ہو گیا جب درخت کے نیچے آپ کے دست اقدس پر انہوں نے بیعت کی۔ حضرت جابرؓ کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ان میں سے کوئی بھی دوزخ میں نہیں جائے گا۔ اسی لیے اس بیعت کو بیعت رضوان کہتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو گیا۔ اب جو بھی ان کی تکفیر کرے گا۔ وہ کتاب و سنت کا منکر ہے (۱۰۸)

فضیلتِ اہل بیت

اہل سنت و جماعت کی ایک امتیازی شان یہ بھی ہے کہ وہ اہل بیت سے بھی محبت و عقیدت رکھتے ہیں۔ اصحاب کرامؓ اور اہل بیت اطہارؑ کی فضیلت پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ سید محمود کو لکھتے ہیں کہ۔

۶۰ بعض صاحب معرفت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو ستاروں سے اس لیے مشابہ قرار دیا کہ جس طرح ستاروں کی رہنمائی میں مسافر اُدھر اُدھر نہیں بھٹکتے بالکل اسی طرح اصحاب کرامؓ کی رہنمائی میں کوئی مسلمان راہ ہدایت سے بھٹک نہیں سکتا۔ اور آپ ﷺ نے اپنے اہل بیت کو سفینہ نوح سے تشبیہ دی ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سفینہ پر سوار مسافر کو لیے ستاروں کی رہنمائی حاصل کرنا لازمی ہے تاکہ وہ ہلاکت کے خطرے سے مامون رہیں۔ اور ستاروں کی رہنمائی کے بغیر ساحل مقصود تک بحفاظت پہنچنا ناممکن ہے بالکل اسی طرح اصحاب کرامؓ کی رہنمائی کے بغیر نجات و فلاح کی سعادت حاصل کرنا محال و متمنع ہے (۱۰۹)

پس جملہ نبیوں اور رسولوں کے بعد صحابہ کرامؓ کا مقام سب سے بالا و بلند تر ہے۔ اس مقام کو جن و بشر میں سے کوئی بھی حتیٰ کہ کوئی ولی بھی چھو نہیں سکتا۔ حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ مقام صحابہ سلوک و معارف کے ہر مقام سے بلند تر ہے۔ حضرت حسام الدین دہلوی کو تحریر فرماتے ہیں کہ۔

۶۱ ایک ایسا مقام بھی ہے جو جذب و سلوک سے بالاتر ہے اور یہ انتہائی نادر مقام ہے۔ صرف اصحاب کرامؓ ہی اس دولت عظمیٰ (مقام نادر)

سے شرف یاب ہوئے۔ اس لیے انہیں دوسرے تمام ارباب مقامات پر توفیق و فضیلت کلیہ حاصل ہے! اسی لیے کسی کو ان بزرگ ہستیوں سے مشابہت حاصل نہیں ہو سکتی (۱۱۰)

افضلیت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ خلفائے راشدین کی افضلیت ان کی ترتیب خلافت کے عین مطابق ہے۔ (۱۱۱)

صحیح بخاری کے مطابق حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ”ہم عہد نبوی میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں ملتے تھے ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے برابر اور ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے“ (۱۱۲)

سنن داؤد کی یہ روایت بھی اسی بات کی تائید کرتی ہے کہ۔

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری میں ہم یہی کہا کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سب سے افضل حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ“ (۱۱۳)

حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ حضرت مولانا محمد اشرف کو تحریر فرماتے ہیں کہ۔

”واضح ہو کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ دونوں باریتوں کے حامل ہیں۔ اور حضرت امیر (حضرت علی) رضی اللہ عنہ کے دوش مبارک پر سب سے زیادہ منصب ولایت کا بار ہے۔ اس لیے اس ”غلبہ جانب ولایت“ کی بنا پر آپ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مشابہت رکھتے ہیں۔ اور حضرت عثمان

ذوالنورین رضی اللہ عنہ باریت اور باریت دو نوزوں کے حامل ہیں اس لیے آپ میں "شان برزخیت" نمایاں و تاباں نظر آتی ہے اور میرا خیال یہی ہے کہ اسی بنا پر آپ کو ذوالنورین (دو دوزوں کے مالک) کہتے ہیں ۱۱۴
اور چونکہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما باریت کے حامل ہیں اس لیے یہ دونوں بزرگ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔

و جب تک اللہ تعالیٰ نے اس فقیر کو اتباع پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے کمالات نبوت کے مقام پر فائز نہیں فرمایا اور ان کمالات سے وافر حصہ عطا نہیں فرمایا، مجھ پر بذریعہ کشف شیخین کے یہ فضائل واضح نہیں ہوئے تھے (۱۱۴)

افضلیت - شیخین رضی اللہ عنہما

حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ حضرت خواجہ عبداللہ اور حضرت خواجہ عبداللہ انضلیت شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ۔

و ترتیب افضلیت در میان خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم بترتیب خلافت است۔ اما افضلیت شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما باجماع صحابہ و تابعین ثابت شدہ است۔ چنانچہ نقل کردہ اندجماعہ از اکابر ائمہ کہ یکے از

ایشان امام شافعی است، قال الشیخ الاہام ابو الحسن الاشعری ان تفضیل ابی بکر ثم عمر علی بقیۃ الامۃ قطعی (۱۱۵)

یعنی "خلفائے راشدین کی افضلیت ان کی ترتیب خلافت کے لحاظ سے ہے۔ لیکن شیخین حضرت ابوبکر اور حضرت عمر فاروق کی افضلیت صحابہ و تابعین دونوں کے اجماع سے ثابت ہے۔ چنانچہ اکابر ائمہ کی ایک بہت بڑی جماعت نے جن میں امام شافعی بھی شامل ہیں، یہ بات نقل فرمائی ہے کہ

شیخ الامام حضرت ابو الحسن اشعری کا یہ قول ہے کہ بلاشبہ حضرت ابو بکر کی افضلیت،
اور آپ کے بعد حضرت عمر کی افضلیت باقی تمام افراد امت پر قطعی ہے۔

اور اس امر پر بھی صحابہ متفق ہیں کہ ان میں حضرت ابو بکر بزرگ تر ہیں، افضل مستی ہیں۔
حضرت امام شافعیؒ جو احوال صحابہ سے دوسروں کے مقابلے میں سب سے زیادہ واقف
ہیں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ پر اضطراری کیفیت طاری
ہو گئی پس زیر آسمان حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر بزرگ کوئی اور نظر نہیں آیا۔
پس انہوں نے اپنی گردنوں پر آپ کو اپنا والی بنالیا۔ اس سے صریحاً یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ صحابہ
افضلیت صدیق مرتفق رہے۔ پس قرن اول ہی میں آپ کی افضلیت پر اجماع ہو چکا تھا (۱۱۶)
اور دارقطنی کے مطابق حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت ابو بکر اور
حضرت عمرؓ میں سے کسی پر بھی جس نے بھی مجھے افضل قرار دینے کی حجت کی تو
میں نے اس پر مفتی کی حد جاری کرتے ہوئے اسے کوڑوں کی سزا دی (۱۱۷)
حضرت شیخینؒ کے کمالات کا اندازہ لگانا انسان کے بس سے باہر ہے۔ ان دونوں
بزرگوں میں تو نبوت کی شان پائی جاتی ہے حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ
”اس میں تو کوئی شک نہیں کہ حضرات شیخینؒ اپنی وفات کے بعد بھی آشور
صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہیں ہوئے اور جیسا کہ خود آپ نے ارشاد فرمایا
ہے کہ بروز قیامت بھی آپ انہیں کے ہمراہ آرام گاہ سے ظاہر ہوں گے۔
اس لیے یہ حقیر قلیل بضاعت ان کے کمالات کا حق کیسے ادا کر سکتا ہے! بھلا
ذرے کی کیا مجال کہ آفتاب کی صفات پر نظر ڈال سکے اور قطرے کی کیا بساط کہ
بحر ذخار کی عظمت کا اندازہ لگا سکے“ (۱۱۸)

مقام سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ۔

حضرت صدیق اکبر کی علو شان تو میں کیا پتہ کر سکتا ہوں، جب کہ حضرت عمر فاروق کی تمام حسنات حضرت صدیق اکبر کی صرف ایک نیکی کے برابر ہیں۔ اور یہ بات خود مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے، المذاشک کے گنہگار نہیں (۱۱۹)۔

”حدیث شریف میں آیا ہے کہ، لَوْ أُتِرْنَا إِيمَانَ أَبِي بَكْرٍ مَعَ إِيمَانِ أُمَّتِي لَوَجَّحْنَا، اگر حضرت ابو بکر کے ایمان کا وزن کیا جائے تو ساری امت مسلمہ کے ایمان کے مقابلے میں آپ کے ایمان کا پلڑا زیادہ بھاری ہونے کی وجہ سے جھک جائے گا۔ اس نکتے کی وضاحت یوں سمجھ لیں کہ رجحان مومن کی بنا پر ایمان کا وزن بھاری ہو سکتا ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے ایمان سے لگاؤ اور لگن (متعلق) فوقیت کی حد تک رکھتے تھے۔ اس لیے اس کی گہرائی اور بھاری پن کے سامنے امت مسلمہ کے تمام متعلقان ایمان کی کوئی حیثیت نہیں۔ (۱۲۰)۔

”پس جو بھی اپنے آپ کو حضرت صدیق اکبرؓ سے افضل سمجھتا ہے وہ نزدیک ہے یا جاہل مطلق۔ اہل سنت کا عقیدہ تو یہی ہے کہ جو کوئی حضرت امیرؓ کو حضرت صدیق اکبرؓ سے افضل مانتا ہے وہ خارجی ہے اس لیے وہ ان کے گروہ سے خارج ہو جائے گا۔ چہ جائے کہ کوئی خود کو آپ سے افضل قرار دینے کی جرأت کر سکے۔“ (۱۲۱)۔

”حضرت صدیق اکبر کی یہ افضلیت تین باتوں سے ثابت ہے“

- (۱) آپ سابق الایمان ہیں۔ ارشاد نبوی ہے کہ جس وقت میں تمہیں اسلام کی دعوت دی تھی، تم سبھوں نے مجھے جھوٹا قرار دیا تھا، لیکن اس وقت ابو بکرؓ ہی تھے جنہوں نے برملا علی الاعلان اقرار کیا کہ میں جھوٹا نہیں سچا ہوں۔
- (۲) دین کی تائید و نصرت میں بھی آپ سب سے آگے بڑھ گئے اس لحاظ سے بھی آپ کو فوقیت حاصل ہے کوئی بھی آپ کی برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

(۳) بذل نفس اور النفاق میں بھی آپ کو سبقت حاصل ہے، اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں، لیس من الناس احدا من عانی فی نفسه وماله من ابی بکر بن عبد المطلب ولو كنت متخذا من الناس خلیلاً لاتخذت ابابکر خلیلاً ولکن خلة الاسلام افضل (۱۲۳)

یعنی۔ لوگوں میں کوئی ایسا نہیں جس نے ابو بکرؓ کو فتح سے زیادہ اپنی ذات اور مال سے مجھ پر احسان کیا ہو۔ اور لوگوں میں سے اگر کسی کو میں اپنا خلیفہ بنا تا تو وہ ابو بکر ہی ہوتے اور لیکن خلت اسلام یہی کو افضلیت حاصل ہے اور خلت اسلام کا امتیازی اعزاز حضرت ابو بکرؓ ہی کو حاصل ہے۔ اسی موقع پر آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ابو بکر کے درتپے کے سوا مسجد کے تمام درتپے بند کر دیئے جائیں۔ اس سے بڑھ کر آپ کی افضلیت کے لیے حجت اور کیا ہو سکتی ہے!

حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ۔

”جیف صد جیف! اگر افضلیت کا دار و مدار کثرت فضائل مناقب ہوتے تو بعض صحابہ اس لحاظ سے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی آگے بڑھ جاتے۔ پس یہ بات ثابت ہو گئی کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی افضلیت فضائل و مناقب کے علاوہ کسی اور چیز پر مبنی ہے اور وہ ہے دین کی تائید میں اپنی ذات کی اور اپنے مال کی بے دریغ قربانیاں پیش کرنا (۱۲۳)

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر ایک اور نئے انداز سے روشنی ڈالتے ہوئے حضرت شیخ درویش کو لکھتے ہیں کہ۔
”و موافقت معارف باطن با علوم شرعیہ ظاہرہ تمام و کمال بحدے کے در حقیق و فقیر مجال مخالفت نماید در مقام صدیقیت است کہ بالاتر مقام ولایت است و ذوق مقام صدیقیت مقام نبوت است۔ علومیکہ نبی را

علیہ الصلوٰۃ والسلام بطریق وحی آمدہ است، صدیق را بطریق الہام
منکشف گشتہ است۔ در میان این دو علم غیر از فرق وحی والہام نیست۔
پس مخالفت را چہ مجال باشد (۱۲۴)

اس طرح صدیقیت کا مقام اس قدر بلند واقع ہے کہ ظاہری و باطنی علوم شرعی
اور روحانی معرفت اور ان کی حقیقت دلوں پر منکشف ہو کر نور ایمان سے انہیں
لبریز کر دیتی ہے، بس شرط یہی ہے کہ دونوں میں مکمل طور سے ہم آہنگی و مطابقت
پانی بجائے اور رانی برابر بھی شریعت کی خلاف ورزی کا شائبہ تک نہ نظر آئے۔ اگرچہ
نبی کو علم و معرفت وحی سے ملتی ہے اور صدیق کو بذریعہ الہام۔ بس یہی واسطوں
کا فرق ہے ورنہ دونوں ایک دوسرے کی تصدیق و تائید کا ذریعہ ہیں۔ اسی بنا پر
مقام نبوت مقام صدیقیت سے بالاتر ہے۔ ہاں مقام ولایت سے کہیں زیادہ
بلند واقع ہے مقام صدیقیت۔

اس سے یہ بات ثابت ہوگی کہ حقیقت نبوت اصل ہے اور حقیقت صدیقیت
بلا توسط اس کا نکل ہے۔ اس لیے حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "حقیقت
صدیق اکبر براہ راست حقیقت محمدی کا نکل ہے۔ اس طرح کہ جو کچھ اس حقیقت میں
موجود ہے۔ وہ سب کچھ تبعیت و وراثت کاملہ کے رنگ میں اس نکل میں منتقل ہو گئی ہے"
اور اسی بنا پر حضرت صدیق اکبر امت مسلمہ کے تمام وارثوں (اولیاء و انما) میں
سب سے افضل، اکمل اور اعلیٰ ہیں۔ چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ
"مَا صَبَّ اللَّهُ شَيْئًا فِي صَدْرِي إِلَّا وَقَدْ صَبَّتْهُ فِي صَدْرِي بَكْرٍ"
یعنی۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ میرے سینے میں ودیعت فرمایا اور وہ سب کا سب میں
نے ابو بکر کے سینے میں منتقل کر دیا۔

اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علم و عرفان، تقویٰ و اخلاص، روحانیت
و پاکیزگی، دانشمندی و دانشوری اور خیر و برکت کی وہ تمام نعمتیں جو اللہ تعالیٰ نے
آپ کو عطا فرمائیں وہ سب کی سب حضرت صدیق اکبر کو ودیعت فرمادیں۔ اس لیے

ساری امت مسلمہ پر آپ کی افضلیت مسلمہ ہے اور اہل سنت و جماعت کے عقیدے کے عین مطابق ہے۔

مقام سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ افضل ہیں۔ آپ کو یہ مقام رضائے الہی کی خاطر اتباع بنوی اور تائید و حمایت دین میں نمایاں خدمات سرانجام دینے کی بدولت حاصل ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اول من جہر بالاسلام عمر ابن خطاب۔ یعنی حضرت عمرؓ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے اعلانیہ اسلام قبول فرمایا۔ آپ کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کی وجہ سے دین کو اس قدر تقویت حاصل ہوئی کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مطابق آپ کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی کہ

”يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَهُنَّ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ“

یعنی۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے لیے تو اللہ اور مومنین میں سے اس کی حمایت کافی ہے، جس نے آپ کی اتباع کو اپنا شعار بنالیا

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی مشیت ایزدی کے سانچے میں اس حد تک ڈھال لی تھی کہ آپ نے جو کچھ کیا یا کہا اللہ تعالیٰ نے اس کی تائید فرمائی۔ اسی لیے ائمہ محدثین کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ۔

”حق لو عمرؓ کی زبان پر رہتا ہے“

حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ۔

”ایمیرن بدر سے خون بہا لیا جائے یا انہیں قتل کر دیا جائے اس مسئلے پر اختلاف واقع ہوا تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کے قتل کا مشورہ دیا تھا اور وحی الہی بھی اسی کے مطابق نازل

ہوئی۔ اور فدیہ قبول کرنے پر وغیر آئی۔ اس وقت آنسور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لَو نَزَلَ اللَّهُ الْعَذَابَ، لَمَا نَجَا غَيْرُ عَمْرٍ ابْنِ خَطَّابٍ وَسَعْدِ بْنِ عَمْرٍ ابْنِ مَعَاذٍ، اَگر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوتا تو حضرت عمر اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما کے علاوہ کوئی بھی نہ بچتا (۱۲۶)۔
حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اسی مقام کی نوعیت واضح فرماتے ہوئے خواجہ محمد صدیق کو لکھتے ہیں کہ۔

”یہ تو ثابت ہے کہ بعض انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ سے بالمشافہ کلام کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ لیکن انہیں کے وسیلے سے ان کے کسی نہ کسی متبع کا مل کو بھی یہ سعادت مل جاتی ہے۔ اور اگر کسی متبع کا مل کو یہ سعادت بکثرت حاصل ہو جائے تو اسے محدث کہتے ہیں۔ امت مسلمہ میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس مقام پر فائز ہوئے۔ اور شرف اسے ملتا ہے جو عالم خلق، عالم امر، روح، نفس اور خیال کا جامع ہوتا ہے“ (۱۲۷)۔
انہیں خصوصیات کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر عقیدہ رکھنا اہل سنت کے شعار میں داخل ہے حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ مولانا محمد اشرف کو تحریر فرماتے ہیں کہ۔

”حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے کمالات کا اندازہ کیا جا سکتے ہیں: ان دونوں بزرگوں کا شمار تو انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے زمرے میں ہے اور ان کی ذات میں انہیں کے فضائل پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ۔ لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيًّا لَكَانَ عَمْرًا، اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو یقیناً حضرت عمرؓ ہوتے۔ حضرت عمرؓ نے لکھا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ آج علم کے دس حصوں میں سے نو حصے فوت ہو گئے۔ اور جب انہوں نے یہ محسوس کیا کہ بعض صحابہ نے ان کے قول کا مطلب نہیں سمجھا ہے۔ تو

انہوں نے فرمایا کہ علم سے میری مراد علم باللہ سے ہے نہ کہ علم حیض و نفاس سے (۱۲۸)

افضیت ختین رضی اللہ عنہما

حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامادی کا شرف حاصل ہے۔ اس لیے ان دونوں بزرگوں کو ختین کہتے ہیں۔ اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ شیخین یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں داماد ختین رضی اللہ عنہما کی افضلیت ان کی ترتیب خلافت کے لحاظ سے قطعی ہے۔ اس طرح اہل سنت کے عقیدے کے مطابق حضرت شیخین رضی اللہ عنہما کے بعد حضرت عثمان ^{رضی اللہ عنہ} افضل ہیں اور ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ۔

من علامات السنة والجماعة تفضيل الشيخين و

محبة الختین (۱۲۹)

یعنی۔ شیخین رضی اللہ عنہما کی افضلیت اور ختین ^{رضی اللہ عنہما} سے محبت اور عقیدت سنت و جماعت کی علامات میں سے ایک ہے۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے یہ نتیجہ اخذ کرنا صحیح نہیں کہ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر توقف فرمایا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں بزرگوں کے عہد خلافت میں انقدر فتنہ و فساد اور اختلال و انتشار پھیلا کہ عالم اسلام کی فضا مکدر ہو کر رہ گئی تھی۔ اس بنا پر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ شرط بھی لگا دی کہ صرف "تفضیل ختین" پر اعتماد کافی نہیں بلکہ ان دونوں بزرگوں سے عقیدت و محبت رکھنا بھی اہل سنت کے عقیدے میں شامل ہے۔

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اس عقیدے میں معمولی سے

نوقف کا شائبہ تک نہیں ہوتا جبکہ کتب حنفیہ اس عقیدے سے معمور ہیں کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی افضلیت ان کی ترتیب خلافت کے لحاظ سے ہے (۱۳۰)
**کُتُبُ الْحَنْفِيَّةِ هَشْوَنَةٌ بِأَنَّ اَفْضَلِيَّتَهُمْ عَلٰی تَرْتِيبِ
 خِلَافَتِهِمْ**

ضابطہ شریعت کا پہلا رکن

عقائد صحیحہ

ہمیں علمائے اہل سنت کی تعلیمات کے مطابق اپنے اپنے عقائد کی اصلاح و تصحیح کرنا چاہیے اور صرف انہیں عقائد کو ماننا چاہیے اور اختیار کرنا چاہیے جو ان بزرگوں نے کتاب و سنت سے اخذ فرمائے ہیں۔

حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ اسی بات کی تلقین فرماتے ہوئے حکیم عبدالوہاب کو تحریر فرماتے ہیں کہ۔

”آنچه بر ما دشمن لازم است تصحیح عقائد بمقتضائے کتاب و سنت برہنجے

کہ علمائے حق شکر اللہ سعیم از کتاب و سنت ان عقائد را فہمیدہ اند

و اذا آنجا اخذ کردہ چہ فہمیدن ما دشمن از حیز اعتبار ماقط است

اگر موافق این بزرگواراں نب شد (۱۳۱)

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے تصحیح عقائد پر سب سے زیادہ اصرار فرمایا ہے۔

حضرت شیخ فرید رحمۃ اللہ علیہ کو ہدایت فرماتے ہیں کہ۔

”ہر عاقل بالغ ارباب تکلیف کے لیے ضروریات دین میں سے یہی ہے کہ

وہ اپنے عقائد کی تصحیح کرتے رہا کریں اور اس کی کسوٹی یہ ہے کہ جو

عقائد اہل سنت کے علمائے دیندار کی تعلیمات کے مطابق ہوں انہیں

برحق سمجھیں باقی کو فاسد و باطل قرار دیکر مسترد کر دیں۔ (۱۳۲)
 آپ نے صلاک کی جملہ ضروریات میں سب سے اہم اسی بات کو قرار دیا ہے کہ وہ صرف
 انہیں عقائد کو اپنائیں جنہیں علمائے اہل سنت نے کتاب و سنت اور آثار سلف سے استنباط
 کر کے برحق تسلیم کیا ہے (۱۳۳)

اسی بنا پر آپ ہدایات صادر فرماتے ہیں کہ۔

” صرف انہیں احوال و مواجید کو برحق مانا جائے جو علمائے اہل سنت کی
 تعلیمات کے مطابق ہوں، اس لیے ان تمام کشف و الہام پر اعتبار نہ کیا
 جائے جو ان علمائے حق کے معتقدات کے خلاف ہوں۔ کیونکہ علمائے
 حق نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم
 اور سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم کی اتباع میں اپنی اپنی زندگی وقف
 فرمادی۔ اور پھر احکام شرعیہ پر پوری طرح دسترس حاصل کر کے ان
 عقائد صحیحہ کو اخذ کرنے کی سعادت حاصل فرمائی۔ لہذا نجات ابدی و فلاح
 سرمدی حاصل کرنا ہے تو ان کی اتباع کے ذریعہ ”حزب اللہ“ میں
 شامل ہو جاؤ۔ اَلَا اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُتَّقُونَ“ واضح ہے
 کہ حزب اللہ میں شامل ہونے والوں کو ہی فلاح ملے گی۔“
 ان علمائے حق کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اسی مکتوب میں آپ ارشاد فرماتے
 ہیں کہ۔

لَوْلَا نُوْرُهُدَايْتُمْ لَمَا هْتَدَيْتُمْ وَلَوْلَا تَمْيِيزُهُمُ الصَّوَابُ
 عَنِ الْخَطَايَا لَفُوتُمْ وَهُمْ الَّذِيْنَ بَدَلُوْا جَهْدَهُمْ
 فِيْ اَعْلَاءِ كَلِمَةِ الدِّيْنِ الْقَوِيْمِ وَاَسْلَكُوْا طَوَالِفَ
 كَثِيْرَةٍ مِّنَ النَّاسِ عَلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْمِ فَسَرَّ
 تَابِعَهُمْ نَجِيْ قَاتِلِهِ وَهِيَ خَالِفُهُمْ ضَلَّ وَاصِلٌ (۱۳۴)
 اگر یہ نور ہدایت کی شمع دکھا کر ہماری رہنمائی نہ فرماتے تو پھر ہمیں ہدایت

کیسے نصیب ہوتی اور اگر یہ صواب و خطا میں تمیز کر کے راہ حق نہ دکھاتے تو پھر ہم گمراہ ہو جاتے۔ یہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے اعلیٰ کلمہ ”دین تویم“ کی خاطر اپنی اپنی تنگیوں تھج دیں۔ اور انہیں کبے تائے ہوئے صراطِ مستقیم پر مسلمانوں کی کثیر جماعتوں نے گامزن ہو کر ہمارے لیے حق کی نشاندہی کر دی ہے۔ پس جس نے بھی ان کی پیروی کی اسے نجات و فلاح مل گئی اور جس نے ان کی خلاف ورزی کی وہ گمراہ ہوا اور گمراہی میں پڑ گیا۔

”من تابعہم نجی و اذحہم رمن خالفہم ضل و اضل“

عقائد کی اہمیت

حضرت امام ربانیؒ نے عقیدے کی اصلاح کی تلقین بار بار یوں فرمائی ہے کہ ضابطہ شریعت کی رو سے یہی اصل اور اساسی رکن ہے۔ عقیدہ صحیح نہ ہو تو پھر ایمان میں خلل اور دین میں فساد پڑنے کی وجہ سے نجات اُخروی سے محرومی ہمارا مقدر بن جائے گی۔ لیکن عقیدہ صحیح ہے تو پھر عمل میں تھوڑی بہت تساہلی کے باوجود نجات کی سبیل نکل سکتی ہے اگر اللہ تعالیٰ نے مواخذہ فرمایا تو بھی عذاب ابدی ٹل سکتا ہے اور مال کار نجات مل سکتی ہے۔ اسی نکتے پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت شیخ فریدؒ کو تحریر فرماتے ہیں کہ۔

”و اگر عیاذ باللہ سبحانہ در مسئلہ از مسائل اعتقاد یہ ضروریہ خلل رفت، از دولت نجات اُخروی محروم است۔ و اگر در عملیات ساہرود بختل کہ بے توبہ ہم در گزرانند و اگر مواخذہ ہم کنند آخر کار نجات است“ (۱۳۵)

”پس عمدہ کار تصحیح عقائد است“

اسی مکتوب میں حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ عقیدے کی اہمیت واضح فرمانے کے لیے حضرت خواجہ احمد راکہ کا یہ قول نقل فرماتے ہیں کہ -

عو ان تمام احوال و مواجید سے خرابی کے سوا کوئی اور توقع نہ رکھنی چاہیے جن کی حقیقت اہل سنت کے عقائد صحیحہ سے مزین نہ ہو۔ اس کے برخلاف ان کی تعلیمات کے مطابق عقائد برحق کو اپنانے اور ان پر قائم رہنے کی سعادت مل جائے تو پھر جتنی بھی حسدیں موجود ہیں وہ سب کی سب ہم میں مرتکز ہو جائیں تب بھی عقائد صحیحہ کی برکت سے اتنی بے شمار نیکیاں مل جاتی ہیں کہ حیران و ششدر ہو کر سوچتے ہی رہ جاتے ہیں کہ آیا کوئی ایسی نیکی ہے جو ہمارے پاس نہیں (۱۳۶)

عقیدۃ توحید

زبان قلب اور قالب سب سے جس بات کی تصدیق ہر مسلمان پر فرض ہے وہ ہے اللہ کو اس کی ذات صفات افعال میں ایک ماننا۔ حضرت امام ربانی قدس اللہ نے اس عقیدہ توحید پر اپنے مکتوبات میں عالمانہ و عارفانہ انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ -

”اللہ تعالیٰ، یکتا، بے مثال، بے چوں و بے چگوں ہے۔ تغیر و حدوث اور حلول سے پاک ہے۔ وہ قدیم بھی ہے اور انہلی بھی۔ وہ بسیط، حاوی، اور محیط بھی ہے، وہ تعدد و تکرار اور ترکیب سے پاک ہے۔ وہ فاعل خالق حقیقی ہے، قادر مختار اور قادر مطلق ہے۔ وہ خیر و شر کا خالق اور مسبب الاسباب ہے لیکن خلق افعال ”من جانب اللہ اور کسب افعال کے ذمے دار اس کے بندے ہیں (۱۳۷)

مُسَبَّبُ السَّبَبِ اسباب و وسائل اور وسائط کا خالق و مسبب ہے مگر انہیں "روپوش" کی حیثیت حاصل ہے، نہیں بلکہ یہ سب اس کی قدرت کاملہ پر دلالت کرتے ہیں، یہی اس کی صناعتی و کاریگری کا منظر ہیں (مگر ۱۳۷) اسی بات پر زور دیتے ہوئے آپ تحریر فرماتے ہیں کہ۔ انبیاء علیہم الصلوٰت اسباب و وسائل کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اپنے معاملات اللہ تعالیٰ کی مرضی و منشا پر چھوڑ دیتے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے صاحبزادوں کو مصر میں ایک ہی دروازے سے داخل ہونے سے ممانعت نہ مانی تاکہ بظہر بدر سے محفوظ رہیں۔ سورہ یوسف میں ہے۔

وَقَالَ يَبْنَئِي لَأَتَدَّبَّرُوا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ ذَا حُلُومٍ مِنْ أَبْوَابٍ مُتَفَرِّقَاتٍ
یعنی۔ "اے میرے بیٹو! تم سب کے سب ایک ہی دروازے سے (شہر میں) داخل نہ ہونا بلکہ الگ الگ مختلف دروازوں سے داخل ہونا"

لیکن اس کے ساتھ ہی ان پر واضح فرمادیا کہ کوئی بھی شے اللہ تعالیٰ کی ذات سے بے نیاز نہیں بنا سکتی۔ اللہ کے سوا کسی کو اقتدار حاصل نہیں۔ میں تو اسی پر توکل رکھتا ہوں اور مومن کا شعار یہی ہے کہ وہ اسی پر پورا پورا بھروسہ رکھتے ہیں اور توکل بن کر اسی کے توکل پر سدا قائم رہتے ہیں۔ قرآن مجید کے مطابق حضرت یعقوب فرماتے ہیں کہ۔

وَمَا أَعْتَىٰ عَنْكُمْ مِّنْ شَيْءٍ إِنَّ الْحُكْمَ
إِلَّا لِلَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ قَلْبِي تَوَكَّلْتُ
یعنی۔ تمہیں اللہ کی ذات سے کوئی بھی شے بے نیاز نہیں بنا سکتی۔ اقتدار تو صرف اللہ ہی کے لیے ہے۔ میں تو اسی پر توکل رکھتا ہوں اور متوکلون اسی پر توکل رکھتے ہیں۔

اور حضرت یعقوب کی اسی بات سے خوش ہو کر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ذی علم کا اجر عطا فرمایا۔ ارشاد ایزدی ہے۔

وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لَمَا عَلَّمْنَاهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ

یعنی جو بلاشبہ وہی صاحب علم ہیں ان تمام باتوں سے جنکا علم ہم نے انہیں عطا کیا۔ اور لیکن اکثر حضرات اس حقیقت سے بے خبر ہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ وسیلوں کے ذریعہ اللہ سے مدد چاہتا اور اس سے برکتیں طلب کرنا منافی توکل نہیں۔ اس لیے ہم اللہ تعالیٰ کو قادر مختار مانتے ہوئے اس کے محبوب ترین محبوب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے منبیین کامل اولیاء اللہ کے توسل سے بلا تردد و عار مانگتے، اس کی مدد رحمت اور برکت کے طالب ہوتے ہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اور برگزیدہ اولیاء اللہ کی ہستیاں تو اس کی قدرت کاملہ پر دلائل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اسی لیے آپ فرماتے ہیں کہ۔

”توسط اسباب منافی توکل نیست۔ چنانچہ ناقصاں گماں بردہ اند۔ بلکہ

در توسط اسباب کمال توکل است (گ ۱۳۸)

یعنی۔ توسط اسباب توکل کے منافی نہیں جیسا کہ کوتاہ بین لوگوں کا گمان ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ توسط اسباب ہی میں کمال توکل موقوف ہے۔

ایمان کی حقیقت و نوعیت!

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی نشان نئی آنے
گفتار میں سردار میں اللہ کی برہانے
(اقبال)

عقیدہ توحید کی اساس ایمان پر قائم ہے۔ حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ نے اپنے مکتوبات میں ایمان کی تعریف و نوعیت پر نہایت ہی دل نشیں انداز میں دلائل و براہین کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ اگرچہ ایمان اقرار لسانی اور تصدیق قلبی کا نام ہے، لیکن ایمان کا اصل جزو تصدیق قلبی ہے۔ کیونکہ اقرار لسانی میں سقوط کا

احتمال پایا جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ خوفِ ہلاکت سے دہشت زدہ ہو کر کوئی "کلمہ کفریہ" زبان سے نکل جائے۔ اس قسم کے اضطرابی حالات میں ایمان نہیں جاتا رہتا بلکہ دل تصدیق کر رہا ہے تو پھر ایمان باقی رہتا ہے۔ حضرت خواجہ عبداللہ و خواجہ عبید اللہ کو تحریر فرماتے ہیں کہ۔

”تصدیق قلبی کی علامت یہ ہے کہ کفر سے تبرا (بریت و بیزاری) کا اعلان کیا جائے۔ نہ صرف کافر سے بیزاری ظاہر کی جائے بلکہ زنا رہنا بندھنے اور اسی نوع کی دوسری خصائص و لوازم کافر سے بھی اعتدال بریت اختیار کی جائے اگر عیاذ باللہ سبحانہ تصدیق قلبی کا مدعی کفر سے بریت و بیزاری کا مظاہرہ نہیں کرتا تو پھر وہ دو مذاہب پر ایمان رکھنے کا مرتکب بن جاتا ہے اس لیے اس پر ارتداد کا داغ مرسوم ہو جائے گا۔ بلکہ فی الحقیقت اس پر منافق کا حکم لگ جائے گا۔ لَا اِلٰی هُوَ لَا اِلٰی هُوَ لَا اِلٰی هُوَ لَا اِلٰی هُوَ (سورہ نساء) نہ تو ادھر کارہتا ہے اور نہ ہی ادھر کارہتا ہے پس تحقیق ایمان کے لیے ”تبرائی کفر“ بنیادی شرط ہے۔ ایمان کا ادنیٰ درجہ ”قلبی تبرائی“ اور اعلیٰ درجہ ”قلبی و قلبی تبرائی“ ہے“ (۱۳۹)

حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ۔

”اللہ سے محبت اس کے دشمنوں سے دشمنی اور بیزاری کے مظاہرے

کے بغیر قابل قبول نہیں“ (۱۴۰)

اس عقیدے کو آپ نے یوں بیان فرمایا ہے کہ۔

”تو لگے بے تبرائی نیست“ (۱۴۱)

یعنی۔ اللہ تعالیٰ سے دوستی رکھنا ہے تو کفر و کافر اور اہل کفر سے بیزاری و دشمنی لازمی ہے۔

مگر تبرائی کیا ہے؟ اس کی تعریف آپ نے انتہائی واضح الفاظ اور جامع انداز میں

یوں تحریر فرمائی ہے۔

”تبریزی عبارت از دشمنی است با دشمنان حق جل و علا۔ آن دشمنی خواہ بہ قلب بود اگر خوفی از ضرر ایشان داشتہ باشد و خواہ بہ قلب و قالب ہر دو در وقت عدم آن خوف“ (۱۴۲)

نبی۔ اللہ تعالیٰ حق جل و علا کے دشمنوں سے اظہار دشمنی کو ”تبریزی“ کہتے ہیں خواہ اس دشمنی کا اظہار صرف قلب سے ہو اگر یہ خوف لاحق ہو کہ اعلانہ عملی اظہار سے ضرر پہنچنے کا احتمال ہے تو پھر یہی کافی ہے، خواہ قلب (دل) اور قالب (جسم سے عملی مظاہرہ) دونوں سے اس دشمنی کا اعلان کیا جائے بشرطیکہ خوف کا احتمال موجود نہ ہو۔

دوقومی نظریہ

چوہدری رحمت علیؒ غلامہ آبال رح اور بابائے قوم محمد علیؒ ہجرت نے برصغیر ہندوپاک میں مسلمانوں کیلئے ایک علاحدہ آزاد مملکت کے قیام کا مطالبہ صرف اس لیے کیا تھا کہ وہ اپنے قومی تشخص کو برقرار رکھتے ہوئے اسلامی شعار کے مطابق اپنی زندگی بسر کر سکیں۔

ان بزرگوں نے دیکھ لیا تھا کہ ایک قومیت کے نظریے کو تسلیم کرنے سے مسلمان اپنا دینی تشخص قائم نہیں رکھ سکتے بلکہ غالب اکثریت رکھنے والی قوم ہندو میں مدغم ہو کر اپنا نام و نشان بھی کھو بیٹھیں گے۔ اسی لیے انہوں نے بار بار اس بات پر زور دیا کہ ہندو اور مسلمان دو متضاد اقدار کی حامل قومیں ہیں، دونوں ایک دسترخوان پر بیٹھ کر کھاپی نہیں سکتیں۔ دونوں کے آداب طعام و لباس، درہائش حتیٰ کہ تقویٰ سن و سال بھی ایک دوسرے سے انتہائی حد تک مختلف ہیں۔

یہی بات حضرت امام بیانیؒ قدس اللہ سرہ نے گیارہویں صدی ہجری کے آغاز میں اس وقت انتہائی پر زور مدلل انداز میں واضح فرمادی جب اکبری کفر و الحاد مسلمانوں کے دینی تشخص کو مٹانے پر تلا ہوا تھا۔ اکبری وجہانگیری دور کے سیاسی و مذہبی ماحول

پر ابتدائی صفحات میں تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ اسے مد نظر رکھتے ہوئے یہ حقیقت اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے دو قومی نظریے سے ہمیں روشناس کیا۔ آپ نے دو ٹوک الفاظ میں واضح فرمادیا کہ مسلمانوں اور کافروں میں دوستی کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا، بلکہ اسلامی تربیت کی رو سے دونوں میں "موالات" گناہ کبیر میں داخل ہے۔

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ فریڈ کو تحریر فرماتے ہیں کہ۔
سید کوئین صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و باتوں پر متحر ہے۔

(۱) اتیان احکام اسلامیہ۔ احکام اسلامیہ کی پابندی۔

(۲) رفع رسوم کفر۔ ان ہندوانی رسموں کا خاتمہ جو مسلمانوں میں رواج پا گئی ہیں۔ اس طرح کافروں کی ثقافت اور ان کے رسم و رواج کے خلاف جہاد کرنا سنت نبوی سے عینی مطابق ہے۔ کیونکہ اسلام اور کفر (ہندو دھرم) ایک دوسرے کی ضد ہیں اور ان دونوں کے مابین معکوسی رشتہ پایا جاتا ہے۔ اس لیے اسلام کی بقا کفر کی تباہی میں مضمر ہے۔ کافروں اور مسلمانوں کا ایک ساتھ رہنا اور ایک ساتھ رہ کر پھلنا پھولنا امر محال ہے۔ یہی نہیں بلکہ انہیں سے کسی ایک کی "عزت و توقیر" دوسرے کی "ذلت و خواری" کے عین مترادف ہے۔

حضرت امام ربانی ارشاد فرماتے ہیں کہ

"اثبات یکے موجب رفع دیگر است۔ احتمال جمع شدن این دو

ضد محال است و عزت و ادن یکے را متلزم خواری دیگر است۔ حق

بسمانہ تعالیٰ حبیب خود را علیہ الصلوٰۃ والتیمیہ فرماید۔ **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ**

جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ۔ پس پیغمبر خود را

کہ موصوف بخلق عظیم است بجہاد کفار و غلظت ایشان امر فرمود۔ معلوم

شد کہ غلظت بایشان داخل خلق عظیم است (۱۴۳)

یعنی۔ ایک کی بقا دوسرے کی تباہی کا موجب ہے۔ ان دونوں ضد کا ایک

جگہ اکٹھا ہونا محال ہے۔ ایک کی توقیر سے دوسرے کی خواری لازمی ہے حق سبحانہ تعالیٰ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کو ہدایت فرماتا ہے کہ کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان کے ساتھ انتہائی سختی کا برتاؤ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو "خلق عظیم" سے متصف فرمایا ہے۔ اور آپ ہی کو کفار سے جہاد اور ان کے ساتھ "غلظت" کا یا انتہائی سختی سے پیش آنے کا حکم دیا ہے۔ پس یہ بات ثابت ہوگئی کہ ان کے ساتھ "غلظت" کا برتاؤ "خلق عظیم" میں داخل ہے۔ چونکہ کفر و اسلام میں معکوسی رشتہ پایا جاتا ہے۔ اس لیے حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ۔

"کے کہ اہل کفر را عزیز داشت، اہل اسلام را خوار ساخت" (۱۴۴)
یعنی۔ "جس نے کافروں کو عزیز رکھا اس نے مسلمانوں کے ماتھے پر کلنگ کا ٹیکہ لگا دیا"

اس لیے کافروں کے ساتھ ہر قسم کی موالات حرام ہے۔ حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ۔

"عزیز رکھنے (موالات) کا مطلب صرف یہی نہیں کہ عزت و احترام اور اعزاز و اکرام کے ساتھ انہیں دکافروں کو بلند مقام پر بٹھایا جائے، بلکہ اپنی محفلوں میں انہیں جگہ دینا ان سے مصاحبت رکھنا اور تبادلہ خیالات کرنا بھی اعزاز میں داخل ہے۔ اس لیے ان (کافر ہندوؤں) سے ہر طرح سے دور رہنا اور اجتناب برتنا چاہیے۔ ہاں بدرجہ مجبوری کسی غرض سے وقتی طور پر ملنے کی اجازت ہے مگر کمال ایمان و اسلام یہی ہے کہ ان سے کسی قسم کی دنیوی غرض نہیں رکھنا چاہیے" (۱۴۵)

حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنے کلام مجید میں کافروں کو اپنا اور اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

کا دشمن قرار دیا ہے۔ اس لیے ان سے ہر قسم کی مجالست و موالنت گناہ کبیرہ میں داخل ہے۔

اسی بات کی وضاحت کرتے ہوئے آپ تحریر فرماتے ہیں کہ۔

”پس اختلاط و موالنت بایں دشمنان خدا و رسول از اعظم جنایات باشد۔“ (۱۳۶)
یعنی۔ پس ان دشمنان خدا و رسول سے موالنت رکھنا عظیم ترین گناہ کبیرہ میں داخل ہے۔
اس دو قومی نظریے کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ
علیہ کسی نکرانگیز بات لکھتے ہیں!

ان نابکاروں (دہند و کافروں) کا مقصد یہی ہے کہ اسلام اور
اہل اسلام کا مذاق اڑایا جائے وہ اس موقع کی تاک میں لگے رہتے ہیں
کہ قابو پاتے ہی مسلمانوں کو تباہ و برباد کر دیں یا سب کو چن چن کر
قتل کر ڈالیں یا پھر کفر پر واپس بلا لیں اور مرتد بنا ڈالیں۔ پس مسلمانوں
کو شرم آنا چاہیے کہ شرم و حیا ایمان کی نشانی ہے۔ غیرت و حمیت کا
تقاضیہ یہی ہے کہ مسلمان بھی انہیں ذلیل و خوار کرتے ہیں کوئی کسر نہ اٹھا
رکھیں۔ حق سبحانہ و تعالیٰ تو انہیں نجس و پلید قرار دیتا ہے۔ اس لیے
مسلمانوں کو بھی چاہیے کہ انہیں نجس و پلید ہی سمجھیں۔ امید ہے کہ ان حالات
میں وہ ان سے مصالحت و مجالست سے اجتناب برتیں گے اور کراہت
محسوس کریں گے۔“

”پس جو بھی مسلمان ان سے امداد طلب کرے گا۔ وہ گمراہ قرار
دیا جائے گا کیونکہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَهَادُ عَاءِ الْكٰفِرِيْنَ
الْاَضْلٰلًا، کافروں کو بلاناصلت و گمراہی میں پڑنے کے سوا کچھ
اور نہیں“ (۱۳۷)

اسلامی اقتدار کو قائم رکھنا اور اسے انتحکام بخشنا ہے تو کافروں سے بغض و
عناد رکھا جائے۔ اسی اصول کو مسلمانوں کے دل و دماغ پر ثبت فرماتے ہوئے

یوں تحریر فرماتے ہیں کہ۔

”علا متے حصول دولت اسلام بغض است با اہل کفر و عناد است بایشان“
 اگر اس حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کافروں سے موالات کا رشتہ
 جوڑا گیا تو یہ ایک بہت بڑا المیہ ہوگا کافروں سے میل جول رکھنے سے
 مسلمان ان کی دشمنی کو فراموش کر دیں گے۔ اپنی بقا و استحکام
 اور دفاع سے غفلت برتیں گے، نفاذ شریعت کا خیال نہیں رکھیں
 گے اور رسوم کفریہ کے مٹانے کا جذبہ سرد پڑ جائے گا۔ اس طرح
 ان کی موالست کی بنا پر مسلمان ان کا لحاظ رکھنے اور مروت برتنے
 پر مائل ہو جائیں گے۔ اور یہی مسلمانوں کے لیے عظیم ترین نقصان
 کے برابر ہے (۱۴۸)

اس لیے کافروں کے خلاف ابلاغ عامہ کے تمام ذرائع استعمال کرنا چاہیے۔ حتیٰ کہ شاعروں
 پر بھی یہ فرض عائد کیا گیا کہ وہ کافروں کے خلاف بھوکھیں اور شان اسلام اور مدحت
 رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قصیدے اور نعتیں لکھ کر انہیں زیادہ سے زیادہ پھیلانے
 کی کوشش کریں۔

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھوکفر کے لیے بڑا اہتمام فرمایا۔ حتیٰ کہ
 اپنے نمبر مبارک پر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بٹھا کر ”بھوکفار“
 سن کر اس قدر خوش ہوئے کہ ان کے حق میں دعا فرمائی
 ”بار الہا! روح القدس کو ان کی حفاظت و مدافعت مامور فرما!“

ضابطہ شریعت کا دوسرا رکن

عقائد و احکام شرعیہ کا علم

اسلامی عقائد اور شرعی احکام کی تعلیم حاصل کیے بغیر اعمال صالحہ کی پابندی کا حقہ

نہیں ہو سکتی۔ حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ شیخ نظام الدین تھانیسری کو تحریر فرماتے ہیں کہ۔

” اعمال صالحہ صرف اسی صورت میں میسر ہو سکتے ہیں جب انسان ان کی کیفیت اچھی طرح سمجھ لے اس کے لیے شریعت کا علم از حد ضروری ہے اور اس کے بغیر کوئی اور چارہ کار نہیں ہے۔ اور یہ علم دو مجاہدوں سے مل سکتا ہے۔ پہلا مجاہدہ ہے طلب علم کے لیے اور دوسرا مجاہدہ ہے اس علم کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کے لیے۔ پس جس طرح آپ کی محفل میں کتب تصوف کا مذاکرہ رہتا ہے، بالکل اسی طرح کتب فقہ مثلاً کنز جیسی مستند کتابوں کی تعلیم بھی جاری ہونا چاہیے۔ بلکہ کتب تصوف کی تعلیم نہ بھی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ہاں کتب فقہ کی تعلیم کا اہتمام نہ کیا جائے تو نقصان پہنچنے کا احتمال ہے (۱۵۰)

اسی طرح آپ نے عقائد صحیحہ کی تعلیم و تدریس پر زور دیا ہے تاکہ باطل عقائد سے واقف ہونے کے بعد ان سے دور رہنے کی صلاحیت پیدا ہو سکے۔ حضرت شیخ فریدی بخاری کو تلقین فرماتے ہیں کہ۔

” وازبرائے تصحیح این عقائد حقہ رسالہ امام اجل نورپشتی بسیار مناسب است و قریب الفہم، مذکور مجلس شریف بودہ باشد (۱۵۱)

یعنی۔ عقائد حقہ کی تصحیح کی غرض سے حضرت امام اجل نورپشتی کا رسالہ عقائد انتہائی موزوں اور قریب الفہم ہے اس لیے آپ کی مجلس شریف میں اس کی تعلیم کا اہتمام کیا جائے۔

چونکہ یہ رسالہ انتہائی طویل ہے اس لیے اسی مکتوب میں آپ نے یہ خیال ظاہر فرمایا ہے کہ اگر زندگی نے وفا کی تو آپ خود عقائد پر ایک عام مہتمم کتاب تحریر فرمائیں گے۔ اسی مکتوب میں آپ نے فقہ کی تعلیم پر بھی زور دیا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں کہ۔
حلال و حرام، فرض، واجب، اور سنت، نیز مندوب و مکروہ کا علم حاصل

کرنے کے لیے علم فقہ کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔ اس لیے آپ کسی طالب علم کو ہدایت فرمائیں کہ مجموعہ خوانی یا عمدۃ الاسلام جیسی مستند فقہ کی کتاب آپ کی مجلس میں پڑھ کر سنایا کرے، (۱۵۲) والی کابل قلعہ اللہ کو آپ ہدایت فرماتے ہیں کہ اعتقادی و فقہی مسائل صرف علمائے آخر سے استفار کیا کریں۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

” احکام شرعیہ را از علمائے آخرت باید استفار نمود۔ سخن ایشان را تاثیر

ہست۔ شاید بہ برکت انفس ایشان بعمل آن موافق شود (۱۵۳)

یعنی۔ احکام شرعیہ کے بارے میں صرف علمائے آخرت سے استفار کیا کریں۔ ان بزرگوں کی زبان میں بڑی تاثیر ہے۔ شاید ان کی برکت سے عمل کرنے کی توفیق حاصل ہو جائے۔

یہی ہدایت حضرت شیخ فرید بخاری کو جاری فرماتے ہیں کہ

” در معاملہ حلت و حرمت ہموارہ بعلمائے ویندار رجوع باید نمود و از انہا

استفسار باید کرد و بمقتضائے فتویٰ ایشان عمل باید نمود (۱۵۴)

یعنی۔ حلال و حرام کے بارے میں علمائے ویندار سے رجوع کریں اور انہیں سے استفار کر کے ان کے فتوے کے مطابق عمل کیا جائے۔

اسی طرح مولانا امان اللہ فقیر کو تاکید فرماتے ہیں کہ اعتقادی و فقہی احکام میں ائمہ

مجتہدین کے فتووں کی خلاف ورزی کسی صورت میں نہیں ہونا چاہیے۔ تخریر فرماتے ہیں کہ۔

” مقلد رانہی رسد کہ خلاف رائے مجتہد از کتاب و سنت احکام اخذ کند

ویراں عامل باشد (۱۵۵)

یعنی۔ مقلد کے لیے یہ زیب نہیں دیتا کہ مجتہد کی رائے کے برخلاف کتاب و سنت

سے احکام اخذ کر کے ان پر عمل پیرا ہو۔

ان اعتقادی و شرعی احکام میں علمائے اہل سنت کی پابندی صوفیائے کرام پر

بھی لازمی ہے آپ انہیں صوفیائے کرام کو ہدایت فرماتے ہیں کہ!

”باید دانست کہ در ہر مسئلہ از مسائل کہ علما و صوفیاء در آن اختلاف دارند

چوں نیک ملاحظہ نماید، حق بجانب علمائی یا بندہ (۱۵۶)

یعنی۔ واضح ہونا چاہیے کہ کسی بھی مسئلے میں علما و صوفیہ میں اختلاف پیدا ہو جائے

تو غور سے ملاحظہ کرنے پر علما ہی حق بجانب نظر آئیں گے۔

اور چونکہ ائمہ مجتہدین میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا مقام سب سے بلند

ہے اس لیے اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ ان کی اتباع میں نجات اخروی و فلاح سرمدی مضرب ہے

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ مذاہب اربعہ کے ائمہ میں حضرت امام ابوحنیفہ

رحمۃ اللہ علیہ کو بجا طور پر امام اعظم قرار دیتے ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں کہ ورع و تقویٰ

اور اتباع سنت کی برکت سے اللہ تعالیٰ آپ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی بلند شان

عطا فرمائی ہے فرماتے ہیں کہ۔

”ورع و تقویٰ کی برکتوں سے اور اتباع سنت کی سعادتوں سے اجہاد و استنباط

میں آپ کو اتنا اونچا مقام مل گیا کہ ہر ایک اس کی شایان شان بلندی کی حقیقت

سمجھنے سے قاصر ہے“ (۱۵۷)

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام شافعی کا یہ قول نقل کرتے ہوئے فرماتے

ہیں کہ آپ کی ہنم و فراست تک کسی نے آج تک رسائی حاصل نہیں کی۔

”القمہاء کلہم عیال ابی حنیفۃ“

یعنی۔ ”تمام فقہاء حضرت امام ابوحنیفہ کے سامنے بچے نظر آتے ہیں“

پھر اسی مکتوب میں آپ کی شان میں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ۔

”حقیقت تو یہی ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اسلامی فقہ

کے بانی ہیں۔ اور فقہ کے تین حصے ان کے لیے مخصوص و مسلم ہیں۔

باقی چوتھائی حصے میں سارے ائمہ فقہ شریک ہیں مجھے تو امام اعظم
رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے سارے ائمہ فقہ بچے ہی نظر آتے ہیں۔“
” یہ بات بلا تعصب کہی جاسکتی ہے کہ نظر کشف میں مذہب حنفی کی نورا
بحر ذخا نظر آتی ہے اور اس کے مقابلے میں دیگر فقہی مذاہب جو صوں
کی مانند دکھائی دیتے ہیں۔ یوں بھی مسلمانوں کا سوا داعظم مذہب
حنفی کا پیرو ہے (۱۵۸)

اور مذہب حنفی کو یہ اعزاز حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے طفیل میں حاصل ہوا۔

ضابطہ شریعت کا تیسرا رکن

احکام شرعیہ پر عمل!

ناپید ہے بندہ عمل مست
باقی ہے فقط نفس و رازی
اقبال

عقائد و احکام کا علم حاصل ہونے کے بعد ان پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اسی لیے
حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ۔

” آدمی را ہم چنانکہ از درستی اعتقادات چارہ نیست ما از اتیان اعمال صالحہ
نیز چارہ نیست (۱۵۸)

یعنی۔ جس طرح درستی اعتقاد ولابدی ہے، اسی طرح اعمال صالحہ کی تعمیل
کے بغیر کوئی اور چارہ کار نہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ علم و عمل دونوں کا سرچشمہ شریعت ہے۔

” بالجملہ علم و عمل مستفاد از شرع است (۱۵۹)

لیکن ان دونوں کی اساس ایمان پر قائم ہے۔ جس قدر ایمان پختہ ہوگا اسی قدر اعمال میں کمالیت و طمانیت پیدا ہوگی۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

الاعمال متفرعة علی الایمان کمالها علی حسب

الکمال الایمان (۱۶۰)

یعنی۔ اعمال تو ایمان سے متفرع ہیں۔ جس قدر ایمان مکمل ہوگا اسی قدر عمل میں جامعیت پیدا ہوگی۔

پھر بھی عمل کی جامعیت سے انکار ممکن نہیں۔ عمل ہی سے ایمان کو تازگی ملتی ہے۔ عمل ہی شریعت کو زندہ رکھتا ہے۔ اسی لیے آپ تحریر فرماتے ہیں کہ۔

و احکام شرعیہ میں سے کسی ایک کو بھی زندہ رکھنا سب سے بڑی نیکی

ہے۔ ایسے عالم میں کہ شعائر اسلام مٹائے، جا رہے ہوں کسی شرعی

مسئلے کو رائج کرنا کروڑوں روپے خرچ کرنے سے بدرجہا بہتر ہے (۱۶۱)

علم بے عمل انتہائی نقصان دہ ہے۔ مقصود شریعت تو عمل ہے۔ اسی نکتے کی وضاحت

فرماتے ہوئے والی کابل قلعج اللہ کو تحریر فرماتے ہیں کہ۔

و اما مقصود عمل است نہ مجرد علم۔ بیمار سے کہ علم بدارو سے مرض خود را

دارد تا آن دارو نہ خورد و بصحت نمی یابد۔ علم بدارو فائدہ نمی کند۔ این ہمہ

ایرام و مبالغہ برائے عمل است۔ علم خود حجت را درست نمی سازد۔

قال علیہ الصلوٰۃ والسلام، ان الله اشد الناس يَوْمَ الْقِيَامَةِ

عالم لم ينفعه الله تعالى بعلمه (۱۶۲)

یعنی۔ بہر حال مقصود عمل ہے نہ کہ محض علم۔ جو مریض اپنے مرض کی دوا تو جانتا

ہے لیکن اسے استعمال نہیں کرتا صحت یاب نہیں ہوتا ہے۔ صرف دوا

کے علم سے اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اس قدر اہتمام و مبالغہ

عمل کے لیے ہے۔ خود علم سے حجت کی صحت ثابت نہیں ہوتی۔ آنحضرت

علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ یوم قیامت اس عالم سے سب

سے زیادہ مواخذہ ہوگا۔ جس نے اپنے علم سے کوئی استفادہ نہیں کیا۔
 اسی لیے دنیوی مشاغل میں منہمک ہونے کے باوجود باشرع مومن کبھی بھی
 نہیں بھٹکتا۔ اگر شرعی تقاضے پورے کیے جائیں تو زراعت، ہویا تجارت یا ایسے ہی دوسرے
 دنیوی مشاغل، سب کے سب عین عبادت بن جاتے ہیں، ایسے ہی مرد مومن کی شان
 میں آیا ہے کہ۔ رِجَالٌ لَّا تُلَہِیْہِمُ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَیْعٌ عَن ذِکْرِ اللّٰہِ (۱۶۳)
 یعنی۔ یہی مرد مومن ہیں جنہیں نہ تو تجارت اللہ کے ذکر سے غافل بناتی ہے
 اور نہ ہی بیع۔

علامہ قبال اسی مرد مومن کی شان میں فرماتے ہیں۔

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات
 مومن فقط احکام الہی کا ہے پابند
 اسی لیے حضرت امام ربانی فرماتے ہیں کہ۔

”ساہا سال روزے رکھنے کے مقابلے میں عید الفطر کے دن اہتمام سے
 کھانے پینے سے اور رات رات بھر جاگ کر نمازیں پڑھنے کے مقابلے
 میں اتباع سنت میں صبح سویرے دو رکعت نماز باجماعت پڑھنے
 سے کہیں زیادہ اجر و ثواب ملے گا“ (۱۶۴)

ترک حکمی | پس دنیوی امور شرعی تقاضوں کے مطابق ادا کیے جائیں تو اسی
 کو عمل یا حکام الشرعیہ کہتے ہیں اور یہی دولت عظمیٰ کی ضامن ہے۔ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ
 علیہ دنیا کو مینوٹہ اور ملعورہ قرار دیتے ہیں لیکن رہبانیت کو سراسر خلاق شریعت
 سمجھتے ہیں۔ آپ کا خیال ہے کہ متابعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت عظمیٰ ترک حکمی
 کے اصول پر عمل کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ شرعی تقاضوں کے مطابق ترک
 حکمی سے فلاح و نجات مل سکتی ہے۔ مال و دولت جمع کرنا گناہ کی بات ہے۔ لیکن
 اس سے شرعی نصاب کے مطابق زکوٰۃ نکالنے اور شرعی احکام کی تعمیل میں اسے
 خرچ کرنے سے وہی مال و دولت حلال و طیب ہو جاتی ہے اسی نکتے کی وضاحت کے لیے

حضرت شیخ فرید الدین کو تحریر فرماتے ہیں کہ۔

” حصول دولت عظمیٰ متابعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم موقوف بر ترک کلی دنیاوی نیست تا دشوار نماید۔ بلکہ اگر زکوٰۃ مفروضہ مثلاً مودی شود حکم ترک کلی دارد۔ در عدم وصولی مضرت چہ مال مزکی از ضرر برآمدہ است۔ پس معاہدہ دفع ضرر از مال دنیاوی اخراج زکوٰۃ است از ازاں۔ اگرچہ ترک کلی اولیٰ و افضل است اما ادائے زکوٰۃ ہم

کار آن کند (۱۶۵)

یعنی۔ متابعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت عظمیٰ کا حصول دنیاوی مشاغل کے ترک کلی پر موقوف نہیں ہے۔ ورنہ تو بڑی دشواری میں پڑجاتے بلکہ اگر فرض کی گئی زکوٰۃ مثلاً ادا کر دی جائے تو اس سے ترک کلی کے حکم کی تعمیل ہو جاتی ہے۔ زکوٰۃ کی عدم وصولی میں جو مضرت لاحق ہے وہ ادائیگی کے بعد دور ہو جاتی ہے اور مال مزکی باقی رہ جاتا ہے پس مال دنیوی کو مضرت سے پاک رکھنا ہے تو زکوٰۃ نکالنا ضروری ہے اگرچہ ترک کلی اولیٰ و افضل ہے۔ پھر بھی ادائے زکوٰۃ سے وہی فائدہ حاصل ہو جاتا ہے۔

خواجہ جہاں کو تحریر فرماتے ہیں کہ۔

”چونکہ اس زمانے میں ترک حقیقی میسر نہیں بلکہ انتہائی دشوار ہے اس لیے ضرورتاً ترک حکمی کرنا چاہیے اور ترک حکمی کا مطلب یہ ہے کہ اپنے دنیوی معاملات کو شرعی احکام کے تابع بنایا جائے۔ یعنی ہر معاملے میں شریعت کے تقاضوں کو پورا کرنا چاہیے اور حدود شریعت سے بال برابر بھی تجاوز نہیں کرنا چاہیے“ (۱۶۶)

اس لیے جو بھی سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق شرعی تقاضوں کا احترام کرتے ہوئے ترک حکمی کی تعمیل کرتا ہے اسے دین و دنیا دونوں کی برکتوں سے اللہ

تعالیٰ فیض یاب فرمائے گا۔ لیکن جو ترک حکمی کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ مسلمان نہیں منافق ہے۔ وہ نام کا مسلمان ہے۔ رسمی طور پر وہ خود کو مسلمان ظاہر کرتا ہے مگر ترک حکمی کو نظر انداز کرتے ہوئے درحقیقت شریعت کا مذاق اڑاتا ہے۔ خوش نصیب وہی ہے جو صاحب ثروت ہونے کے باوجود ترک حکمی پر سختی سے عمل پیرا ہے۔

اوامر و نواہی اور تقویٰ

نجات کا دار و مدار دو عناصر پر ہے۔

(۱) اوامر کی بجا آوری۔

(۲) نواہی سے اجتناب۔

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اوامر و نواہی کو سنت نبوی کے تابع قرار دیا ہے۔ سنت نبوی کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اوامر و نواہی کی پابندی سے ہماری زندگی سنور سکتی ہے اور آخرت بھی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت فرمائی ہے

”مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا“
یعنی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکامات تمہیں عطا فرمائے ہیں ان پر پابندی سے عمل کرو۔ اور جن باتوں سے ممانعت فرمائی ہے ان سے اجتناب برتو۔

آپ قلیج خاں پر واضح فرمادیتے ہیں کہ۔

”ان میں سے دوسری بات زیادہ اہم ہے۔ کیونکہ منہیات سے بچنے ہی کو تقویٰ کہتے ہیں۔ ارشاد نبوی ہے کہ دین کا اتھار اسی تقویٰ پر ہے اور فرشتوں پر انسانوں کو فضیلت اسی کی بدولت حاصل ہے اور قرب الہی کے درجوں میں اسی سے ترقی ہوتی ہے“ (۱۶۷)

اسی تکتے کی طرف مولانا امان کی توجہ مبذول فرماتے ہیں کہ۔

» اعمال صالحہ دو عناصر کے مجموعے کا نام ہے۔

(۱) امتثال اوامر۔ احکام خداوندی کی بلاچوں پر تعمیل۔

(۲) انتہا از منہا ہی۔ جن کاموں سے اللہ تعالیٰ نے روک رکھے ان سے پوری

طرح اجتناب۔

آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

» در امتثال اوامر قدسیاں نیز شریک اند۔ اگر در امتثال ترقی واقع

می شدہ قدسیاں را نیز واقع می شد۔ و انتہا از منہا ہی در قدسیاں

نیست چه ایساں بالذات معصوم اند، مجال مخالفت نہ دارند تا ازل

ہنی کردہ شود۔ پس لازم آمد ترقی و بلستہ ہمیں جزو است (۱۶۸)

یعنی۔ اوامر کی تعمیل میں تو فرشتے (قدسیاں) بھی انسان کے ساتھ شریک

ہیں۔ اگر تعمیل احکام پر ترقی موقوف ہوتی تو فرشتوں کو اسی طرح ترقی

حاصل ہوتی۔ اور منہا ہی سے رکنے کی خصوصیت فرشتوں میں نہیں پائی

جاتی۔ کیونکہ وہ خود اپنی ذات سے معصوم ہیں مخالفت کی قوت ہی نہیں

رکھتے کہ انہیں منہا ہی سے بچنے کی ہدایت کی جاتی۔ پس یہ بات ثابت

ہو گئی کہ روحانی ترقی اسی عنصر (دوسرے عنصر) منہا ہی سے اجتناب

پر مبنی ہے۔

مباحات ضروریہ اور مباحات فضولیہ [حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ

فرماتے ہیں کہ منہیات سے بچنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ مباحات ضروریہ پہ قناعت

کی جائے اور مباحات فضولیہ سے پرہیز برتنا جائے۔ اسی اصول کی پابندی سے

تقویٰ کی سعادت میسر ہو سکتی ہے۔ محمد علیج خاں کو تلقین فرماتے ہیں کہ۔

» اگر کوئی مباحات کے اختیار کرنے میں اپنے نفس کی باگ ڈور چھوڑ

دے تو مشتبہ امور میں لامحالہ ملوث ہو جائے گا اور مشتبہ امور قریب

قریب حرام کے برابر ہیں۔ پس جو بھی تقویٰ میں کمال حاصل کرنا چاہتا ہے اسے مباحات ضروریہ پر اکتفا کرتے ہوئے ان سے صرف اس حد تک استفادہ کرنا چاہیے کہ وظائف بندگی کی طاقت برقرار

رہے۔ (۱۶۹)

اسی لیے آپ ملائف کو مشبہات سے محتاط رہنے کی ہدایت فرماتے ہیں۔
 ”تم نے لکھا تھا کہ اس دور میں شہر سے پاک کوئی چیز نہیں ملتی۔ یہ بات صحیح تو ہے پھر بھی جہاں تک ہو سکے مشبہات سے دور رہیں۔ زراعت بے طہارت طیب کے منافی ہے۔ اور ہندوستان میں اس سے بچنا مشکل ہے۔ البتہ سودی معاش سے پرہیز تو ممکنات میں سے ہے۔
 حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھنا ضروری ہے۔“ (۱۷۰)

ان مشبہات سے بچنے کا واحد راستہ یہی ہے کہ مباحات ضروریہ سے بقدر ضرورت اس حد تک استفادہ کیا جائے کہ وظائف بندگی کی قوت برقرار رہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکابر نقشبندیہ قدس اللہ سرہم رخصت پر عزیمت کو ترجیح دیتے ہوئے مباحات ضروریہ سے کم سے کم استفادہ فرماتے ہیں۔

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

”اے فرزند! کار میں است کہ از فضول مباحات اجتناب باید نمود
 و از مباحات بقدر ضرورت اکتفا باید کرد و آن ہم بہ نیت جمعیت
 از برائے ادائے وظائف بندگی۔ مثلاً مقصود از خوراک قوت برائے
 طاعات است و از پوشاک متر عورت و دفع حسد و برد و علی

بہذا القیاس سایر المباحات الضروریہ“ (۱۷۱)

یعنی۔ اے فرزند! بات تو یہی ہے کہ مباحات فضولیہ سے پرہیز کرنا چاہیے اور مباحات ضروریہ پہ صرف اس حد تک اکتفا کرنا چاہیے کہ سکون کے ساتھ وظائف بندگی ادا ہوتے رہیں۔ مثلاً کھانا اس لیے تناول

کیا جائے کہ احکام کی بجا آوری کے لیے قوت برقرار رہے اور پوشاک
صرف اس مقصد سے پہنی جائے کہ اس سے ستر چھپ جاتی ہے اور گرمی
دوسری سے محفوظ بھی رکھتی ہے اور اسی پر دوسری تمام مباحات ضروریہ
کو قیاس کرو۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ حقوق اللہ
اور حقوق العباد کے احترام سے اوامر و نواہی کی ادائیگی میں مدد ملتی ہے اور تقویٰ
کی سعادت بھی میسر ہو جاتی ہے۔ اسی لیے صاحب عرفان و بصیرت نے دو امور
کی تلقین فرمائی ہے۔ (۱) التَّعْظِيمُ لِلَّهِ، حکم خداوندی کا احترام۔
(۲) الشُّقَّةَ عَلَى خَلْقِ اللَّهِ، مخلوق خدا پر شفقت۔ ان دونوں میں سے کسی ایک کو نظر
انداز کرنا سراسر کوتاہی ہے۔ مخلوق خدا پر شفقت اسی طرح ضروری ہے جس طرح
خدا کی اطاعت۔

تیلج اللہ کو ہدایت صادر فرماتے ہیں کہ۔

” در ادائے حقوق عباد سعی بلیغ مبذول باید داشت کوشش باید
نمود کہ حق بیچ کس در ذمہ نمازد این جا ادائے حق آسان است
بملائت و تملق ہم رفع می شود در آخرت کار مشکل است عسلاج

پذیر نیست (۱۷۲)

یعنی۔ حقوق عباد کی ادائیگی کے لیے انتہائی راہنماک سے سعی بلیغ کرنا چاہیے۔
کوشش یہی ہونی چاہیے کہ کسی کا حق اپنے ذمے نہ رہے۔ اس دنیا میں
ادائیگی حق آسان ہے در نہ آخرت میں اس کی تلافی مشکل ہے وہاں
اس کا مداوا نہیں ہو سکے گا۔

حقوق العباد کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کسی اندھے کو بچانے
کے لیے اذکار و وظائف ترک کرنا عین عبادت ہے اللہ تعالیٰ نہ تو کسی بندے کا محتاج
ہے اور نہ ہی اس کے اوراد و اذکار کا۔ ہاں اس کا بندہ نابینا اس قدر محتاج و بے بس

ہے کہ خود کو کنویں میں گرنے سے نہیں بچا سکتا اس لیے ایسے نازک موقع پر اسے
کنویں میں گرنے سے بچانا نامور من اللہ ہے۔ اس کے برخلاف اندھے کی مسدود
کے لیے دوڑ کر نہ جانا اور بدستور ذکر میں مشغول رہنا عین معصیت (ذنب)
اور اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کی کھلی خلاف ورزی ہے۔

اگر بینیم کہ نابینا و چاہ است

اگر خاموش بنشیدیم گناہ است

یعنی۔ اگر میں دیکھ رہا ہوں کہ اندھے کے راستے میں کنواں پڑ رہا ہے۔ ایسی
حالت میں اگر میں خاموش بیٹھا رہتا ہوں تو یہ گناہ کی بات ہے۔

اسی لیے حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ "نابینا کی تخلص یعنی
اندھے کو کنویں میں گرنے سے بچانا خود ذکر میں شامل ہے، ذکر سے تو صرف ایک
ہی حق "مولا جل شانہ" کا حق پورا ہوتا ہے لیکن اس "تخلص" سے ایک وقت دو حق
ادا کرنے کی سعادت مل جاتی ہے، پہلا حق ہے بندۂ نابینا (حق عبد) کا حق اور
دوسرا حق ہے مولا تعالیٰ (حق اللہ) کا حق۔ اسی نکتے پر زور دیتے ہوئے حضرت امام
ربانی رحمۃ اللہ علیہ مولانا حمید اللہ بنکالی کو تحریر فرماتے ہیں کہ۔

"تخلص او ہم ذکر است کہ امثال امر است۔ در ذکر او ادائے یک حق

است کہ حق مولیٰ باشد جل شانہ و در تخلص ادائے دو حق است

حق عبد و حق مولیٰ تعالیٰ بلکہ نزدیک است کہ ذکر گفتن داخل ذنب

نمودہ آید (۱۷۳)

یعنی۔ اس کی تخلص یعنی اندھے کو کنویں میں گرنے سے بچانا بھی ذکر ہی

ہے کہ حکم خداوندی کی تعمیل ہو رہی ہے۔ اس کے ذکر سے صرف ایک

ہی حق، مولا جل شانہ کا حق ادا ہو رہا ہے اور تخلص سے دو حق ادا۔

ہو جاتے ہیں احق عبد (اندھے کا حق) اور مولا تعالیٰ کا حق۔ بلکہ نزدیک

کی بات تو یہ ہے کہ ذکر میں مشغول رہنا گناہ میں داخل ہو جاتا ہے۔

اسی طرح دوسرے حقوق عباد کی ادائیگی بھی عین عبادت ہے۔ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے گوشہ نشینی کی اجازت دل جہنی سے عبادت الہی میں مشغول رکھنے کی خاطر دی تو ہے مگر اسی شرط کے ساتھ کہ کسی بندے کی حق تلفی نہ ہو لکھتے ہیں کہ ارشاد نبوی ہے: "حق المسلم على المسلم خمس، رد السلام، وعيادة

المريض، وإتباع الجنائز، وإجابة الدعوة وتشميت العاطش" (۱۷۴)

یعنی۔ ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان بھائی کے پانچ حقوق واجب ہیں۔

(۱) سلام کا جواب دینا (۲) عیادت مریض (۳) جنازے میں شرکت

(۴) اجابت دعوت اور (۵) پیاسے کو پانی پلانا۔

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ

ارکان اسلام، اصول خمسہ یا اصول پنجگانہ | علیہ فرماتے ہیں کہ ارکان

اسلام کی ادائیگی پر نجات اخروی موقوف ہے۔ حضرت مولانا عبدالحی کو تحریر فرماتے ہیں

”مدت سے میں سوچ رہا تھا کہ بہشت میں داخل ہونے کے لیے تمام

اعمال صالحہ کی شرط ہے یا بعض کی۔ اگر تمام کے تمام اعمال صالحہ

کی شرط مؤید ہوتی تو پھر لاکھوں میں شاید کوئی ایک آدمی ایسا ملے

جس نے ان کی پابندی کا حق ادا کیا ہو آخر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے

میرے قلب پر یہ حقیقت القا ہوئی کہ اعمال صالحہ سے ارکان خمسہ مراد

ہیں جن پر اسلام کی بنیاد قائم ہے۔ اگر یہی ارکان پنجگانہ صحیح انداز

میں ادا ہو جائیں تو امید ہے کہ نجات اخروی مل جائے گی (۱۷۵)

حضرت امام ربانی فرماتے ہیں کہ ہمیں اس لیے نہیں پیدا کیا

عبادت خداوندی | گیا کہ کھائیں پییں گھوئیں پھریں اور سو جائیں، ہماری

تخلیق کا مقصد حقیقی تو یہ ہے کہ ہم اپنے خدا کی بارگاہ میں الحاح و زاری کے ساتھ گڑگڑا

کہ اپنی بندگی کا اقرار کرتے رہیں۔ اسی کو وظائف بندگی کہتے ہیں اور اسی وظائف بندگی کا

دوسرا نام عبادت ہے۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

” مقصود از خلقت انسانی کہ خلاصہ موجودات است نہ لہو لیب نہ خوردن
 نہ گفتن است، مقصود از وسعے ادائے وظائف بندگی است (۱۷۶)
 یعنی۔ انسان جو خلاصہ موجودات ہے، اس کی تخلیق کا مقصود یہ نہیں کہ لہو لیب
 اور کھانے پینے اور باتیں بنانے میں زندگی گزار دی جائے بلکہ اس سے
 مقصود وظائف بندگی کی ادائیگی ہے۔“ (۱۷۶)

اور اس وظیفہ بندگی کو شرعی محمدی کے مطابق ادا کیا جائے تو اسی کو عبادت
 کہتے ہیں۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

” عبادتے کہ شرع محمدی ازاں ناطق است و مقصود ازاں منافع
 و مصالح عبادت و بجناب قدس خداوندی عز و شانہ بیچ ازاں عائد
 نشود بجاں ممنون گشتہ می باید ادا کرد (۱۷۷)

یعنی۔ عبادت وہی ہے کہ جس پر شرع محمدی ناطق ہو۔ اور جس سے مقصود
 محض بندوں کی فلاح و بہبود ہے ورنہ خدائے قدوس عز و شانہ کی بارگاہ
 اقدس اس اظہار بندگی سے بے نیاز ہے۔ لیکن لازم ہے بندوں پر کہ وہ
 دل و جان سے ممنون ہو کر اس کی عبادت کرتا رہے۔

اور تمام عبادتوں میں جامع و موثر ترین انداز میں وظائف بندگی ادا
 کرنے کا نام نماز ہے۔ اسی لیے آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

” جامع ترین عبادات و مقرب ترین طاعات ادائے صلواہ است“

کلمہ طیبہ کلمہ طیبہ کا ورد بھی عبادت میں داخل ہے۔ حضرت امام ربانی قدس اللہ
 سرہ نے اپنے مکتوبات میں کلمہ طیبہ کے فضائل تفصیل سے بیان فرمائے ہیں۔ مسلا عرف
 غنی پر اسی کلمہ طیبہ کی اہمیت و فضائل واضح فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ۔

” آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لا الہ الا اللہ کا ذکر تمام اذکار

میں افضل ہے۔ نیز حدیث قدسی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

کہ اگر میرے علاوہ ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں اور ان کے مکینوں

کو ایک پلڑے میں اور دوسرے میں کلمہ لا الہ الا اللہ رکھا جائے تو
دوسرا پلڑا جھک جائے گا۔ (۱۷۸)

آپ حضرت مولانا عبدالحی کو تحریر فرماتے ہیں کہ۔

”غضب خداوندی کو دور رکھنے کے لیے کلمہ طیبہ سے بڑھ کر کوئی اور چیز
نہیں غور کریں کہ جب اس کلمے کی بدولت انسان دوزخ میں داخل
ہونے سے بچ جاتا ہے تو پھر غضب کی دوسری صورتیں اس غضب سے
یقیناً کمتر ہیں جن کی وجہ سے انسان دوزخ میں ڈالا جاتا ہے۔ اس لیے
یہ کلمہ ہر قسم کے غضب سے محفوظ رکھتا ہے۔“

”اور اس فقیر پر یہ بھی مشہور ہوا ہے کہ اگر اس کلمے کی برکت تمام عالم
میں تقسیم کر دی جائیں تو ہمیشہ کے لیے کافی ہوں گی۔ خصوصاً جب کہ
اس کلمہ طیبہ کے ساتھ کلمہ مقدسہ محمد رسول اللہ بھی شامل کر لیا
جائے۔ اس طرح تبلیغ توحید کے ساتھ اور رسالت ولایت سے مربوط
ہو جائیگی۔ ان دونوں کلموں کا مجموعہ نبوت ولایت کے کمالات کا جامع ہے۔“ (۱۷۹)

اس لیے کلمہ طیبہ کے ابتدائی جنسرو کا اعلان بالجہر اور دوسرے غنصر پر ویدہ
دانستہ خموشی منافقت کہلائے گی۔ حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ
کلمہ طیبہ کا جزو اخیر (محمد رسول اللہ) مثبت رسالت ختم رسل علیہ وعلیہم
المصلوٰۃ والتلیمات ہے یہی غنصر دوم محصل و مکمل شریعت ہے یعنی اس کے بغیر
نہ تو شریعت کا حصول ممکن ہے اور نہ ہی اس کی تکمیل ہو سکتی ہے آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ
”باقی ماند جزو دوم این کلمہ مقدسہ کہ مثبت رسالت ختم الرسل است صلی اللہ
علیہ وعلیٰ آلہ وعلیہم الصلوٰۃ والتلیمات این جزو اخیر محصل و مکمل شریعت است (۱۸۰)

یعنی۔ باقی رہی اس کلمہ مقدسہ کے جزو دوم کی بات تو یہی مثبت رسالت

ختم رسل صلی اللہ علیہم وسلم ہے۔ شریعت کے حصول و تکمیل کا دار و مدار

اسی جزو اخیر پر ہے۔

ضابطہ شریعت کا چوتھا رکن تزکیہ نفس اور اخلاص

یہ مال و دولت دنیا پر رشتہ و پیوند
بتان و ہم و گماں لا الہ الا اللہ!

تزکیہ نفس | ضابطہ شریعت کے چوتھے رکن تزکیہ نفس کو استحضانی رکن کہتے ہیں۔ "تزکیہ نفس" یا تصفیہ نفس کہتے ہیں نفس امارہ کو برائیوں سے بے جا خواہشوں یا روحانی بیماریوں سے پاک و صاف کرنے کو۔ اور یہی سیر و سلوک کا مقصود ہے۔ حضرت امام ربانی میاں حاجی محمد بوری کو تحریر فرماتے ہیں کہ۔

"سیر و سلوک کا مقصود یہی ہے کہ نفس امارہ برائیوں اور عیبوں سے پاک

ہو جائے تاکہ انسان کو جھوٹے معبودوں کی پرستش سے نجات مل

جائے اور معبود برحق کے سوا کوئی اور سستی اسکی توجہ کا مرکز نہ رہے" (۱۸۱)

قلب | اس نفس امارہ کی آماجگاہ قلب ہے۔ اس لیے روحانی بیماریوں کا منبع بھی قلب ہی ہوا۔ حضرت امام ربانی فرماتے ہیں کہ آپ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی ہے کہ قلب دو مادی حصوں میں منقسم ہے پہلے نصف کا تعلق عالم خلق سے دوسرے کا عالم امر سے ہے اس طرح قلب روحانی و مادی دونوں قوتوں کا سرچشمہ ہوا۔ خلق سے تعلق رکھنے والے اس قلب کا نصف ہوا و ہوس کی قوتوں کا مرکز ہے خواہشات نفسانی کے مرکز اس سے چوتھانی قلب کو ہی ہم دل یا قلب کہہ کر پکارتے ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ "قلب عالم خلق" اور "عالم امر" کے درمیان برزخ کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت امام ربانی قلب کے نفسانی مرکز کی یہ تعریف فرماتے ہیں کہ۔

”پس ربع قلب عبارت از مقام ہوا باشد کہ قلب متضمن آنت“ (۱۸۲)

یعنی۔ پس چوتھائی قلب ہوا ہو سکتی ہے اور اسی کو قلب کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔“

نفس امارہ | یہ نفس امارہ ہماری ساری مصیبتوں اور بیماریوں کی جڑ ہے

یہ ہمارا سب سے قریبی مصاحب مگر بہت ہی برا مصاحب اور جانی دشمن ہے اسکی سب سے بڑی تمنا اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی اور اس کی سب سے بڑی آرزو شیطان

کی اطاعت ہے (۱۸۳)

حضرت شیخ فرید کو تحریر فرماتے ہیں کہ۔

نفس امارہ چاہتا ہے کہ سائر مخلوق اس کی محتاج رہے اور اوامرو

لواہی اسی کے اشارے پر سرزد ہوں وہ کسی کا محتاج نہیں بنا چاہتا۔

اسی کو عیونی الوہیت اور خدائے ہمتا جل سلطانہ کی قدرت میں شرکت

کہتے ہیں مگر یہ منحوس صرف اسی پر راضی نہیں اس کی مرضی تو یہ ہے کہ

وہ حاکم مطلق بلا شرکت غیر سے بن جائے اور سب اسی کے اشارے پر

ناچتے رہیں اسی لیے حدیث قدسی میں آیا ہے کہ عاد نفسک فانہما

نتصبت بمعاداتی، اپنے نفس کو اپنا دشمن سمجھو کیونکہ اس کی دوستی

میری دشمنی پر اور غلاتی ہے“ (۱۸۴)

امراض قلبی | ہوائے نفاہی، وزن، زر، زمین سے لگاؤ، اموال و اولاد

سے محبت، جاہ و ریاست اور نام و نمود کی طلب قلبی روحانی بیماریوں کے

مختلف روپ ہیں یہ سب کچھ ہم اپنے نفس امارہ کی خاطر چاہتے ہیں اس لیے ہمارا

موجود خود ہمارا نفس ہوا جس کی غلامی سے نجات پر اخروی نجات و فلاح منحصر ہے۔

حضرت امام ربانی ارثا و فرماتے ہیں کہ۔

”پس فی الحقیقت موجود اور نفس اوست، تازمانے از گرفتاری او اخلاص

نشود، امید نجات بے مستعد است“ (۱۸۵)

یعنی۔ پس حقیقتاً اس کا معبود اسی کا نفس ہے جب تک اس کی قید سے رہائی نہیں ملتی، نجات کی امید رکھنا انتہائی دور کی بات ہے۔

اسی لیے صاحب عرفان عالموں اور بابیت مفکروں اور دانشوروں پر فرض ہے کہ وہ قلبی و روحانی امراض سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تدبیر اختیار کریں۔

”پس بر علمائے اولوالالباب و حکمائے ذوی الابصار فکر ازالہ امراض لازم است، درخانہ اگر کے است ایک حرف بس است (۱۸۶)“

یعنی۔ علمائے اولوالالباب و حکمائے ذوی الابصار پر اس مرض سے چھٹکارا حاصل کرنے کا فرض عائد ہوتا ہے اگر گھر میں ذرا سی بھی گنجائش موجود ہے تو بس یہی ایک حرف کافی ہے۔

ان امراض قلبی اور باطنی آفات سے نجات

ازالہ امراض قلبی کی ضرورت | اس لیے ضروری ہے کہ ان کی وجہ سے ہمارا

ایمان متزلزل ہو جاتا ہے۔ حضرت امام ربانی فرماتے ہیں کہ۔

”جس طرح اعضائے جسمانی کے ضعف سے احکام شریعت کی بجا

آوری میں تاثر و تکلف محسوس ہوتا ہے بالکل اسی طرح ضعف

ایمانی سے بھی ان کی تعمیل میں تاثر و تکلف پیدا ہو جاتا ہے (۱۸۷)“

آپ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ نفس امارہ کی غلامی اور امراض قلبی میں گھر ہونے

کی وجہ سے تلاوت قرآنی سے بجائے فائدے کے لٹا نقصان ہوتا ہے۔ آپ حضرت حکیم

عبدالقادر کو تحریر فرماتے ہیں کہ۔

”تا زمانے کہ در مرض قلبی مبتلا است“ فی قلوبہم مرض“ یہ صحیح عبادتے

وطاعتے اور اتانفع نیست بلکہ مضر است حدیث معروفہ است اذبت

صائم لیس له من صیامہ الا الجوع والظماؤ خیر صحیح (۱۸۸)“

یعنی۔ جب تک مرض قلبی میں مبتلا رہو گے، قرآن شریف کی نص کے مطابق جن

کے دل بیمار ہیں ان کے لیے کوئی عبادت و اطاعت مفید نہیں بلکہ مضر ہے

یہ مشہور حدیث "خبر صحیح" ہے کہ اکثر روزے دار کو اس کے روزے سے بھوک پیاس کے علاوہ کچھ بھی نہیں ملتا۔
آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

"جس طرح صفراوی امراض کی وجہ سے قند و نبات کی مٹھاس محسوس نہیں ہوتی بالکل اسی طرح امراض قلبی کی وجہ سے ایمان کی خوشبو کا احساس باقی نہیں رہتا کیونکہ ہمارا ضمیر مردہ ہو جاتا ہے اس لیے ان سے نفس کی صفائی و پاکیزگی ضروری ہے۔ اور جسے تزکیہ نفس کے سعادت مل گئی اسے فلاح دارین نصیب ہو گئی، قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّهَا وَتَدَّ خَابَ مَنْ دَسَّهَا، اسی کو فلاح مل گئی جس کا نفس پاکیزہ ہو گیا، اور محرومی اہل مقدمہ بن گئی جس نے اسے اپنے من میں چھپا لیا۔" (۱۸۹)

اسی تزکیہ نفس کے بعد قلبی اطمینان حاصل ہوتا ہے اور اسی سے اللہ تعالیٰ کی دوستی و قربت حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ اسی کی بدولت حقیقت ایمان کی سعادت ایمان و جدائی کی دولت عظمیٰ ملتی ہے۔ حضرت امام ربانی فرماتے ہیں کہ۔

"پس بعد از تزکیہ نفس و اطمینان آن حقیقت ایمان صورت وارد و وجدان می گردد و این قسم ایمان از زوال محفوظ است۔ کریمہ الاثر ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یخزنون، در شان ایشان صادق است (۱۹۰)

یعنی۔ پس تزکیہ نفس اور روحانی اطمینان کے بعد ایمان کی حقیقت اپنی صورت اختیار کرتی ہے اور ایمان وجدان میں تبدیل ہو کر زوال سے محفوظ ہو جاتا ہے اسی لیے آیہ کریمہ میں اولیاء اللہ کو بشارت دی گئی ہے کہ ہاں! یہی تو اللہ تعالیٰ کے اولیاء اس کے محبوب و برگزیدہ بندے ہیں جو خوف و دہشت اور حزن و ملال سے بالاتر ہو کر رضائے الہی کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔

تقاضائے بشریت کو دبانے یا کچلنے کو
تذکرہ نفس نہیں کہتے۔ اس کے برخلاف

طبعی و فطری خواہشات (INSTINCTS)

جو خواہشات منشاءے طبیعت کے عین مطابق ہیں انہیں پورا کرنا عین منشاءے
الہی ہے مثلاً بھوک لگے تو کھانا کھانا پیاس لگے تو پانی پینا طہارت کی غرض سے
یا شدید گرمی میں غسل کرنا اور جاڑوں میں سردی سے بچاؤ کے لیے موٹے ملبوسات
پہننا یہ سب کے سب فطری ضروریات میں شامل ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
خود شہری پسند فرماتے تھے۔ پس فطری خواہشات کی تکمیل عبادت و عبودیت کے
منافی نہیں ہے۔ حضرت امام ربانی قد اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ۔

(۱) نفس امارہ کی خواہشات طبعی ضروریات کے زمرے میں نہیں آتیں۔

نفس امارہ کی خواہشات مباحات فقویہ ہیں یا مشتبہات یا حرام الثیار
کی طلب۔ پس ان تینوں قسموں کی خواہشات کو دل سے نکال دینا
چاہیے۔

(۲) نفس امارہ کی ایما پر جو فساد پیدا ہوتا ہے اسے مرض ذاتی کہتے

ہیں۔ یہی مرض ذاتی سُم قاتل ہے اور منافی عبودیت۔ پس اس سے

پوری طرح اجتناب برتنا چاہیے (۱۹۱)

مخالفت نفس ضروری ہے | تذکرہ نفس کا مقصود یہ نہیں کہ نفس امارہ بیکسر
اپنی خصوصیات سے اس حد تک محروم ہو کر

رہ جائے کہ پھر اس میں مخالفت یا مقابلے کی سکت ہی باقی نہ رہے اس کے برخلاف

روحانی و باطنی ترقی اسی مخالفت نفس پر مبنی ہے اسی بنا پر مخالفت نفس

کو جہاد اکبر کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاد سے فارغ ہو کر فرمایا کرتے تھے

کہ رُجَعْنَا مِنْ جِهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى جِهَادِ الْأَكْبَرِ یعنی اب ہم جہاد اصغر جہاد

بالسيف سے جہاد اکبر (جہاد نفس) کی طرف رجوع ہو رہے ہیں (۱۹۲)

نفس مطمئنه | نفس امارہ کی مخالفت کے باوجود سنت بتویہ کے مطابق احکام شریعت

کی تعبیل کرتے کرتے ایک وقت ایسا آتا ہے کہ یہی نفس امارہ نفس مطمئنہ میں تبدیل ہو کر روحانی ترقیوں کا اہل بن جاتا ہے۔ پھر مومن کی نماز صورت نماز نہیں رہتی بلکہ حقیقت نماز بن جاتی ہے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ اسے اتباع رسالت کی حقیقت حاصل ہو جاتی ہے (۱۹۳)

نفس امارہ "سیاست قلب" کی بدولت
سلامتی قلب (سیاست قلب) | نفس مطمئنہ کی ہیئت اختیار کر لیتا ہے
 حق سبحانہ تعالیٰ کے علاوہ دیگر معبودوں کی غلامی سے نجات حاصل کر کے نفسانی سرگرمیوں سے پیچھا چھڑانے کا نام سیاست قلب ہے اور اسی کو "سلامتی قلب" بھی کہتے ہیں۔ حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ۔

"وعلامت سلامتی از گرفتاری نیان ماسوائے دوست "تعالیٰ و تقدس۔
 و تاسر موز غیر آگاہ است از سلامتی گمراہ است۔ فطوبی لمن سلم
 لرتبہ" (۱۹۴)

یعنی۔ نفس امارہ کی غلامی سے رہائی یا سلامتی قلب کی علامت یہ ہے کہ حق تعالیٰ و تقدس کے ماسوا ہر شے کو یکسر فراموش کر دیا جائے اور جیسا تک بال برابر غیر حق کا احساس باقی ہے راہ سلامتی سے گمراہ ہو کر ادھر ادھر بھٹکتا ہی رہے گلیں نلاج و نجات کی خوشخبری صرف اسی کے لیے مخصوص ہے جس نے اپنے قلب کو اپنے رب کے لیے مٹھوں کر کے "سلامتی" کی نعمت و برکت حاصل کر لی۔

فقر محمدی | نفسانی خواہشات سے بے نیاز ہو جانے کو فقر محمدی کہتے ہیں
 حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

"وفقر فقر محمدی کشت علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات زیرا کہ در فقر
 نامرادی نفس است و حصول عجز آن مقصود از بعثت انبیا علیہم الصلوٰۃ
 والتسلیمات" (۱۹۵)

یعنی۔ اور اسی فقر کو فقر محمدی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات کہتے ہیں کیونکہ
 ”فقر“ نامرادی نفس کا دوسرا نام ہے اور نفس امارہ کی عاجزی و بے
 بسی بعثت انبیا علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کا مقصود ہے۔

اسی طرح کمال اتباع نبوت اور تعمیل احکام شریعت سے ”فقر محمدی“ کی دولت
 مل جاتی ہے اور نفس امارہ نفس مطمئنہ کی ہیئت اختیار کر کے ہوائے نفسانی سے پاک
 وصاف ہو کر فلاح سرمدی کی نعمتوں سے مومن کو مالا مال کر دیتا ہے۔

پھر یہی نفس مطمئنہ فقر محمدی کی برکتوں سے ”محبت ذاتی“ کی تجلیات
محبت ذاتی کا سرچشمہ بن جاتی ہے۔ دل نفسانی مرادوں سے پاک ہو جائے تو
 پھر حق تعالیٰ کی محبت بندے کے دل میں سما جاتی ہے۔ اسی کو محبت ذاتی کہتے ہیں۔
 حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ۔

”محبت ذاتی اللہ سے اللہ ہی کے لیے محبت کرنے کو کہتے ہیں یا اللہ سے اللہ
 ہی کی طلب کا نام محبت ذاتی ہے۔“

گویا نعمات دنیوی سے بے نیاز ہو کر رضائے الہی کے آگے سر تسلیم خم کرنے کا نام
 محبت ذاتی ہے۔ اور اس سے بڑھ کر کونسا عیش ہو سکتا ہے کہ بندے کے کردار سے اسکا
 مولا راضی ہو جائے اور اس سے سنگین کونسی جفا ہے کہ اس کے اعمال سے اس کا خدا ناراض
 رہے؟ اسی لیے حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ

”رضاء اللہ تعالیٰ فی الجنة نیر من الجنة و سخط اللہ تعالیٰ
 فی النار شر من النار“ (۱۹۶)

یعنی۔ ”جنت میں اللہ تعالیٰ کی خوش منودی جنت سے بہتر ہے اور جہنم میں اللہ
 تعالیٰ کا خشم و عتاب جہنم سے بدتر ہے۔“

اس لیے اس محبت ذاتی کی نعمتوں سے اور برکتوں سے مالا مال ہونے
 کے بعد مومن کے دل سے جو آواز نکلتی ہے تو بس یہی کہ:-

”خدا یا! جو تیری مرضی وہی میری مرضی، اور جو تیری مراد وہی میری مراد

میں تو وہی چاہتا ہوں جو تو چاہتا ہے (۱۹۷۰)

گویا محبت ذاتی کی نعمتیں اور برکتیں اپنی مرضی کو اللہ تعالیٰ کی مرضی
فنائے مطلق میں فنا کر دینے سے میسر ہوتی ہیں۔

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس منزل پر فائز ہونے کے بعد
مرد مومن کی نظر میں

”دینیوی کلفتیں اور راحتیں، دونوں کیفیتیں یکساں ہو جاتی ہیں۔ ہرچہ
از دوست می آید نیکو ست۔“ جو بھی دوست عطا فرمادے سرانگھوں
پر وہی نعمت غیر مترقبہ ہے اس عالم میں وہ اپنے رب کی عبادت اپنے
نفس کے لیے نہیں کرتا۔ کیونکہ نعمت و کلفت دونوں کیفیتیں اس کی نظر میں
ایک جیسی ہو جاتی ہیں۔ (۱۹۸۰)

اسی کیفیت اور اسی عالم کو فنائے مطلق کہتے ہیں اور یہ محبت ذاتی کا ثمرہ ہے۔
حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ حاجی محمد لاہوری کو تحریر فرماتے ہیں کہ۔
”فنائے مطلق محبت ذاتی کا ثمرہ ہے اس مقام پر محبت و راحت کسی
کا احساس باقی نہیں رہتا۔ دونوں کی حیثیت ایک جیسی ہو جاتی ہے۔
اس مقام پر فائز برگزیدہ ہستیاں جنت کہ جنت کے لیے نہیں بلکہ اس لیے
چاہتی ہیں کہ جنت رضائے الہی کا تام ہے (۱۹۹۰)

اخلاص

تذکرہ نفس محبت ذاتی اور فنائے مطلق کی نعمتوں سے فیضیاب ہوتے ہی مرد مومن
اخلاص کے بلند ترین مقام پر فائز ہو جاتا ہے۔

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ۔

”اس مرتبے (فنائے مطلق) پر فائز ہونے کے بعد بندہ اخلاص کی دولت

سے مالا مال ہو جاتا ہے (۲۰۰)

اسی حقیقت کی وضاحت میاں محمد لاہوری سے فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔
 جوں ہی یہ مقام (فنائے مطلق) حاصل ہو جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ
 مقصود بن جاتا ہے تو بندے پر اخلاص کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔
 کلمہ توحید کی صحیح حقیقت منکشف ہو کر لا الہ الا اللہ کا حقیقی مفہوم
 سمجھ میں آ جاتا ہے۔“

اخلاص کی یہ کیفیت تامل و تکلف سے مبرا ہوتی ہے۔ اخلاص کامل آفاقی
 (ظاہری) اور انفس و باطنی معبودوں کو ٹھکرا کر خود کو رضائے خداوندی کے سانچے
 میں ڈھالنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس اخلاص کی دولت عظمیٰ ہی سے ولایت خاصہ
 کا مرتبہ مل جاتا ہے۔

لیکن جس اخلاص سے تامل و تکلف مکرور یا اور نمود و نمائش کا مظاہرہ ہو
 وہ عارضی اخلاص ہے۔ اخلاص کامل یا دائمی اخلاص کی دولت تو محبت ذاتی اور
 فنائے مطلق کی منزلوں سے گزرنے کے بعد ملتی ہے۔ حضرت امام ربانیؒ محمد محمود
 کو تحریر فرماتے ہیں کہ اخلاص کامل کی یہ دولت مرتبہ ”حق الیقین“ پر فائز ہونے
 پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

”اخلاص سے کہ بہ تامل و تکلف محتاج است، دوام نمی پذیرد و بے تکلف
 بدون در حصول دوام در کار است کہ در مرتبہ حق الیقین است۔ پس
 اولیا ہر چہ می کند برائے حق می کند جل و علا نہ برائے نفس خود۔
 چہ نفس ایشان فدائے حق شدہ است (۲۰۱)“

یعنی۔ اس اخلاص کو دوام نہیں جو تامل و تکلف کا محتاج ہو۔ حصول دوام
 کے لئے اخلاص کا تکلف اور تامل سے پاک ہونا ضروری ہے اور یہ نعمت
 مرتبہ حق الیقین پر فائز ہونے سے ملتی ہے پس اولیا اللہ کی ہر حرکت
 اور ہر فعل فقط حق جل و علا کے لیے وقف ہو کر رہ جاتا ہے۔ وہ

اپنے نفس سے بے نیاز ہو جاتا ہے کیونکہ اس کا نفس تو حق پر فدا ہو کر اپنی ہستی فنا کر دیتا ہے۔

اسی مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ اخلاص کا مل نیت کا بھی محتاج نہیں کیونکہ نفس کی غلامی کا طوق اتارنے کے بعد مرد مومن صرف اور صرف حق تعالیٰ کا ہو کر رہ جاتا ہے اس لیے وہ جو بھی قدم اٹھاتا ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا سے اٹھاتا ہے لیے عالم میں نیت کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے! آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

”چوں این گرفتاری نفس زائل می شود، و گرفتاری حق جل و علا بجائے نشیند ناچار ہرچہ کند برائے حق کند۔ نیت دست و ہدیانہ“ (۲۰۲)

یعنی۔ جوں ہی نفس کی غلامی سے نجات مل جاتی ہے اور اس کی جگہ حق جل و علا کی غلامی نصیب ہو جاتی ہے تو پھر لازماً بندۂ مومن جو بھی کرتا ہے، حق تعالیٰ کی رضا کے لیے کرتا ہے، نیت اختیار کرے یا نہ کرے، اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

غالباً حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ اور حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے نظریات متاثر ہو کر حضرت اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

چوں منہ اندر رضائے حق شود
بندۂ مومن قضائے حق شود
مرضی او مرضی حقے می شود!
ماہ از انگشت او شوقے می شود!

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

ذاتِ حق در ذاتِ صوفی گم شود

ابنِ سخن کے باورِ مردم شود

اولیائے مقربین | اخلاص کی دولت عظمیٰ جسے مل گئی وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب

بندہ ہو گیا۔ اسی لیے ایسی بزرگ ہستیوں کو اولیائے مقربین کہتے ہیں۔۔۔
حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ۔

” اولیائے مقربین کی توجہ کامرکز فقط معبود حقیقی کی ذات ہی ہوتی ہے وہ دینی و دنیوی مقاصد میں سے کسی کو اپنا مقصود نہیں سمجھتا کیونکہ اللہ کی ذات کے سوا کوئی اور شے اسکی مقصود نہیں ہوتی“ (۲۰۳)

ابراہیم کا مرتبہ اولیائے مقربین سے کمتر ہوتا ہے۔ حضرت امام ربانی
رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ۔

” ابراہیم کا مرتبہ اولیائے مقربین سے کم ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ محبت ذاتی کی دولت سے محروم ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت جنت کی طمع کی بنا پر کرتے ہیں“ (۲۰۴)

تزکیہ نفس اور اخلاص کے ذرائع | تزکیہ نفس اور اخلاص کی دولت ضابطہ شریعت
کی اتباع کامل سے ملتی ہے اعمال صالحہ اور

ذکر خداوندی
احکام شرعیہ کی بجا آوری کے بعد جو بھی وقت بچے اسے ذکر الہی کے لیے وقف کر دینا
چاہیے۔ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ۔

” پس لازم ہے کہ اہلسنت کے مطابق اپنے عقائد درست کریں اور

احکام شرعیہ کی بجا آوری کے بعد ذکر الہی سے اپنے باطن کو منور رکھیں

کہ فلاح اخروی کثرت ذکر پر موقوف ہے۔ ارشاد ایزدی ہے کہ

وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ، اور اللہ کا ذکر کثرت

سے کیا کر ڈاس کی بدولت تمہیں فلاح مل جائے گی۔ پس جو بھی تمہیں

اس ذکر سے باز رکھے اسے اپنا دشمن جانو! نجات کی یہی صورت

ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی لیے فرماتا ہے، اَلَّذِي يَذْكُرُ اللَّهَ تَنظِمَ بَيْنِ الْقُلُوبِ ،

یہ سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر ہی سے قلبی اطمینان حاصل ہوتا ہے (۲۰۵)

ذکر الہی کے ساتھ ساتھ انتہائی راجح و زاری اور عجز و نیاز سے توبہ و استغفار

اور اظہارِ ندامت سے بھی اخلاص کی دولت حاصل ہونے میں مدد ملتی ہے۔

احتسابِ نفس احتسابِ نفس سے مراد یہ ہے کہ بندہ رات کو سونے سے پہلے اپنے خیالات، اقوال، افعال بلکہ تمام حسرت و سکنات کا جائزہ لینے

کے بعد اپنی کوتاہیوں پر اظہارِ ندامت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر توبہ و استغفار کے ساتھ معافی کا دعا بگا رہو۔ حضرت امام ربانی فرماتے ہیں کہ۔

”فقیر کی رائے میں سونے سے قبل سو مرتبہ تسبیح تحمید اور تکبیر سبحان اللہ

الحمد للہ، اللہ اکبر و روزبان رکھنا محاسبہ کا مناسب ترین طریقہ ہے

اور یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ کلمہ تسبیح توبہ کی کلید

ہے اس کے درود سے بندہ اپنی کوتاہیوں پر معافی طلب کرتا اور بارگاہ

ایزدی کو ان تمام باتوں سے پاک قرار دیتا ہے جن کی بنا پر

اس نے برائیوں کا ارتکاب کیا ہے“ (۲۰۶)

اسی مکتوب کے مطابق صاحب فتوحات مکیہ شیخ اکبر حضرت محی الدین عربی

قدس سرہ فرماتے ہیں کہ۔

”میں اپنے ہم عصر مشائخ رحمۃ اللہ علیہم کے مقابلے میں انتہائی اہتمام

سے بڑے شد و مد سے اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہوں۔ حتیٰ کہ میں نے

اپنے قلبی خطرات اور نیات کا بھی محاسبہ کیا ہے“

بلاشبہ خطرات و نیات کا محاسبہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔

پھر اسی مکتوب کے آخر میں حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ۔

(۱) ”استغفار میں گناہوں کی کستر پوشی کی طلب پائی جاتی ہے اور

کلمہ تنزیہ سبحان اللہ کے ذریعہ بندہ اپنے گناہوں کے دُھل جانے

کی طلب کرتا ہے۔“

(۲) ”الحمد للہ کی تکرار سے بندہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر اظہارِ شکر کرتا ہے۔“

(۳) ”اللہ اکبر کے درود سے بندہ اقرار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اس قدر

بلند ہے کہ اس کے شایان شان نہ تو اظہار معذرت کر سکتا ہے اور نہ ہی اظہار شکر۔ یہ آیہ کریمہ ہی بات کو واضح کرتی ہے کہ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ۔ آپ کا رب، صاحب عزت رب ہر چیز سے حتیٰ کہ اپنے بندے کی توصیف سے بھی بالاتر اور بے نیاز ہے۔“

فلسفہ خودی!

خود پرستی و خود شناسی

ہواگر خود نگر و خود گرد و خود گو و خودی
یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مرے کے
اقوال

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ نفسِ دُخود کی غلامی ہی ساری برائیوں کی جڑ ہے۔ اس لئے اپنے نفس کی غلامی سے نجات کا مطلب یہ ہے کہ غیر حق یا ماسوائے حق کی غلامی سے نجات مل گئی۔ اپنے نفس کی غلامی ہی کو خود پرستی کہتے ہیں اور بت پرستی بھی خود پرستی کا ایک روپ ہے۔ یہ ہمارا نفس ہی ہے جو سنگی ٹکڑوں کو تراش خراش کر بتوں کو گھڑ لیتا ہے۔ اس لئے نفس پرستی، خود پرستی حتیٰ کہ نفس کے ایما پر ہر قسم کے مادی و تصویری بتوں کی پرستش سے بے نیاز ہو کر تزکیہ نفس، محبت ذاتی، فناء مطلق اور اخلاص کی دولتِ عظمیٰ مل سکتی ہے۔ حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ میاں منزل کو تحریر فرماتے ہیں کہ :-

”ہر بلائے کہ ہست از گرفتاری خودست چوں از خود نفس خلاص شد از گرفتاری مادون او سبحانہ خلاص شد۔ اگر بت می پرستی الحقیقت خود را می پرستد کہ آفرایت من التخذ الہة ہواہ“ (۲۰۷)

یعنی :- خود اپنے نفس کی غلامی ہی ساری بلاؤں کی جڑ ہے جو ہی خود یعنی اپنے نفس کی غلامی سے نجات مل گئی اسی لمحے ”ماسوائے حق“ سبحانہ کی غلامی سے نجات مل جاتی ہے۔ اگر بتوں کی پرستش کرتا ہے تو پھر

در اصل خود اپنے نفس کی پرستش کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
 اَقْرَبُ اَيْتٍ مِّنَ التَّخَذِ الْهَهُ هُوَا هُ۔ آیا آپ نے اس شخص کے
 کیفیت کا مشاہدہ نہیں فرمایا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود
 بنا لیا ہے یعنی بندہ ہو اور ہوس بن گیا ہے۔

خود گزاشتی یا خود باختگی | اس لیے فلاح سرمدی حاصل کرنے کے لیے

اپنے نفس کا ساتھ چھوڑنا، اپنے نفس کی بندگی
 اور پیروی سے منہ موڑنا ضروری ہے۔ اپنے نفس کی حمایت ترک کرنے اور اس
 کی بندگی سے اظہارِ بریت و بیزاری کے بعد ہی بندہ اپنے نفس، اپنی انا کے خول سے باہر
 آجاتا ہے۔ اسی کو خود گزاشتی یا خود باختگی کہتے ہیں اور یہی حقیقی مسرت و شادمانی
 کا سرچشمہ ہے۔ حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ۔

”از خود گزاشتی ہمہ عیش است و خوشی۔ دَعِ نَفْسَكَ وَتَعَالِ“ (۲۰۸)

یعنی۔ خود گزاشتی، خود باختگی اپنی انا کے خول سے باہر نکلنے سے ہی حقیقی عیش

اور حقیقی خوشی مل سکتی ہے اسی لیے کہا گیا ہے کہ دَعِ نَفْسَكَ وَتَعَالِ

اپنے نفس سے منہ موڑ کر ہمارے قریب آ جاؤ یعنی قربت ایزدی

کی برکتوں سے فیضیاب ہو جاؤ۔

جس طرح خود گزاشتی قربت الہی کے لیے ضروری
خود شناسی یا معرفت باطنی | ہے اسی طرح خود شناسی بھی لازمی و لا بدی

ہے، اپنے باطن کو ٹٹولنے اپنے اندر جھانکنے اور خود اپنی معرفت حاصل کرنے سے

قربت الہی نصیب ہوتی ہے۔ اس حقیقت کو حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ”در خود رفتن“

یا اپنے باطن کی سیر کرتے ہوئے اس کی گہرائیوں تک پہنچنے سے تعبیر کیا ہے۔ ارشاد

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو خود ہمارے باطن میں چھپا ہوا ہے پھر ادھر ادھر بھٹکنے

کی ضرورت کیا ہے؟ اسی مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ۔

”ہم چنانکہ از خود گزاشتن فرض است، اور خود رفتن ہم لازم است

کریافت اینجاست اور برون خودیافت نئی باشد سے
 باتو در زیر گلیم است ہر چہ مست نیز ہم چو نابینا مبر ہر سوئے دست (۲۰۹)
 یعنی۔ جس طرح خود اپنے نفس سے منہ موڑنا فرض ہے، خود اپنے باطن کی
 سیر بھی لازمی ہے کہ حق تعالیٰ تو خود ہمارے باطن میں موجود ہے۔ اس
 لیے خود اپنے باطن کے باہر اسے نہیں پاسکتے۔

سیر آفاقی | تو پھر اپنی نفسانی خواہشات کی خاطر خود اپنے نفس کی غلامی کا طوق
 اپنے گلے میں کیوں ڈال رہا ہے۔ یہ نفس کی غلامی تو تجھے اس
 کائنات (آفاق) کی در بدر خاک چھاننے اور راہ حق، صراطِ مستقیم اور ادھر ادھر بھٹکنے
 ہی میں مہمک رکھے گی۔ حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ نے نفس امارہ کی غلامی و
 بندگی میں راہ حق سے بھٹک کر مارے مارے پھرنے کو "سیر آفاقی" سے تعبیر کیا ہے۔
 بندہ اس "سیر آفاقی" میں اس وقت تک بھٹکتا رہے گا جب تک وہ ماسوائے حق
 ہر قسم کے "معبودان آفاقی" کی غلامی و بندگی سے رہائی حاصل نہیں کر لیتا۔ اس لیے خود
 اپنے نفس کی بندگی سے منہ موڑ کر ہی قربت الہی مل سکتی ہے۔

سیر انفسی | حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ "سیر آفاقی" سے نجات حاصل
 کرنا ہے تو اپنے باطن، خود اپنے اندر کو کھنگال ڈالو۔ اپنے باطن کی
 گہرائیوں تک پہنچنے کے لیے خود اپنے باطن کی سیر کرنا ضروری ہے۔ اسی کو اپنے سیر انفسی سے
 تعبیر کیا ہے۔ اسی سے معرفت باطن اور قربت خداوندی کی دولت میسر ہوتی ہے، اس
 سیر انفسی کی سعادت ہر ایک کو نہیں ملتی۔ صرف انہیں بزرگ، ہستیوں کو نصیب ہوتی
 ہے۔ جو محبت ذاتی اور فنائے مطلق کی دولت عظمیٰ حاصل کر کے اخلاص کے بلند ترین
 مقام پر فائز ہو جاتی ہیں۔ حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ اسی لیے فرماتے ہیں کہ۔

”سیر آفاقی بعد در بعد است، و سیر انفسی قرب در قرب۔ اگر شہود است

در خود است۔ اگر معرفت است ہم در خود۔ اگر حیرت است ہم در خود

بیرون خود قدم گاہ نیست“ (۲۱۰)

یعنی ”سیرِ آفاقی“ یا اپنے نفس کے اشاروں پر، اپنی انا کے جال میں پھنس کر کائنات کے گوشے گوشے میں ادھر ادھر ٹھیکنے اور در بدر کی خاک چھاننے سے راہِ حق سے دور بہت ہی دور ہوتے جائیں گے۔ تو پھر مقصود سے محرومی بہا را مقدر بنتی جائے گی۔ اور ”سیرِ انفسی“ سیرِ باطنی یا خود اپنے اندر، اپنے دل میں، اپنے من میں جھانکتے ہی، دل کی آنکھوں سے رُوح کی گہرائیوں میں دیکھتے ہی حق سے قریب اور قریب ہونے کی سعادت نصیب ہو سکتی ہے۔ شہود کی تجلیوں سے دیدہ بینا کو ٹھنڈک مل سکتی ہے تو پھر ہی عالم ہی میں۔ ہاں! محبوبِ برحق کا دیدار ہو سکتا ہے تو یہیں اپنے من میں۔ اس کی معرفت مل سکتی ہے تو یہیں دل کی گہرائیوں میں ڈوب ڈوب کر۔“

دیدار معرفت کی سعادت مل گئی تو پھر انا کے عنکبوتی تار انوار و تجلیات کی بارش سے ایک ایک کر کے ٹوٹنے جائیں گے اور دُوی کے حجابات آن واحد میں تار تار ہو کر ہوا ہو جائیں گے۔ اسی عالم میں ایسے ایسے سرسبز اسرار ایک ایک کر کے پلک جھپکتے ہی یوں منکشف ہونگے کہ ہم درطہ حیرت میں، مارے حیرت کے مدہوش ہو کر رہ جائیں گے۔“

اور پھر اسی کی بارگاہ میں، اسی کی لا متناہی قدرت و قادریت یوں ہمارے ہوش و ہواس پر چھا جائیگی کہ بسد عجز و نیاز اپنی بندگی کا ورد و ذکر کنوں کے سامنے ہم آہنگ ہو کر مسر اپا زبان بن جائے گا۔

”یہ سعادت اپنے سے باہر آفاق و کائنات میں یوں ہی مارے مارے پھرنے سے کہاں سیر ہو سکتی ہے! منزل تو دور کی بات ہے راہِ حق کی کسی ایک ”قدم گاہ“ کا کوئی نشان بھی ڈھونڈنے سے نہیں پاسکتے، حکیم الامت علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں ۵

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

سیر و سلوک

رضائے الہی اور قربت ایزدی کی دولت عظمیٰ سے مالا مال ہونے کے لیے شیخ کامل اور مرشد عارف کی رہنمائی میں ایک جامع مربوط ضابطہ طریقت کی پابندی کو سیر و سلوک اور اس کی منزلیں طے کر نیوالے کو طالب و سالک کہتے ہیں۔

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیر و سلوک **مقصود سلوک** اور شریعت دونوں کا مقصود ایک اور صرف ایک ہے۔ کوئی

الگ الگ، متوازی یا متقابل راستے نہیں۔ حضرت حسین مالک پوریؒ کو تحریر فرماتے ہیں کہ

”شریعت کا مقصود یہی ہے کہ نفس امارہ کی خواہشات کو استفادہ کچل

کر رکھ دیا جائے کہ وہ بالکل مفلوج ہو کر رہ جائے۔“ (۲۱۱)

اور یہی سیر و سلوک کا مقصود بھی ہے۔ آپ ملا شکیبی اصفہانیؒ کو تحریر فرماتے ہیں کہ۔

”نیز سیر و سلوک کا مقصود یہی ہے کہ نفس امارہ مغلوب ہو کر رہ جائے۔

تاکہ احکام شرعیہ کی بجائے اور میں کوئی تکلف و دشواری محسوس نہ ہو۔“ (۲۱۲)

ضابطہ شریعت کا چوتھا اثر اسی رکن تزکیہ نفس و تحصیل اخلاص ہے اور سیر و سلوک

کا مقصود بھی یہی ہے۔ روحانی بیماریوں اور برائیوں سے پاک ہونے کو تزکیہ نفس کہتے

ہیں۔ آپ میاں حاجی محمد لاہوریؒ کو تحریر فرماتے ہیں کہ۔

”واضح رہے کہ سیر و سلوک کا مقصود یہی ہے کہ نفس امارہ تمام عیبوں

اور برائیوں سے پاک ہو جائے۔ تاکہ انسان کو جھوٹے مجبوروں کے

پرستش سے نجات مل جائے۔“ (۲۱۳)

یہی بات حضرت شیخ فرید بخاریؒ کو تحریر فرماتے ہیں کہ۔

”پس مقصود سیر و سلوک تزکیہ نفس و تصفیہ قلب، ازالہ آفات معنویہ است
وامراض قلبیہ“ (۲۱۴)

یعنی۔ پس سیر و سلوک کا مقصود یہی ہے کہ روحانی آفتوں اور قلبی بیماریوں
کو دور کر کے تزکیہ نفس اور صفائی قلب حاصل ہو جائے۔

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اخلاص کی حقیقت صرف طریقہ
صوفیہ کے مطابق سلوک کی منزلیں طے کرنے کے بعد منکشف ہو سکتی ہے۔ حضرت شیخ فرید
کو تحریر فرماتے ہیں کہ۔

”تخصیل اخلاص بچوں روح ست مر علم و عمل را، والبتہ بسلوک
طریق صوفیہ است۔ تا سیر الی اللہ قطع نماید و سیر فی اللہ متحقق
نشود، از حقیقت اخلاص دور است و از کمالات مخلصانہ مہجور“

یعنی۔ اخلاص ہی علم و عمل کی روح ہے، اس کی تحصیل طریق صوفیہ کے مطابق
سلوک سے وابستہ ہے جب تک سیر الی اللہ کی منزل طے نہیں ہوتی
اور سیر فی اللہ میں قدم نہیں جتے اخلاص کی حقیقت ملنا دور کی بات
ہے، اس وقت تک ارباب اخلاص کے کمالات سے محروم و مہجور ہی ہوں گے۔

شریعت کا منتہائے مقصود رضائے الہی ہے اور یہی منتہائے مقصود سلوک کا بھی
ہے حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ ملا حاجی محمد لاہوریؒ کو تالیق فرماتے ہیں کہ۔

”صوفیائے کرام کا مقصود رضائے الہی کی سعادت حاصل کر کے مقام
رضائیک رسالی حاصل کرتا ہے اور یہی مقام جذب و سلوک

کی انتہا ہے“ (۲۱۶)

لیکن یہ مقصود صوفیائے کرام اتباع شریعت کے بغیر حاصل نہیں کر سکتے اسی لیے
آپ خضر خاں لودھیؒ کو تحریر فرماتے ہیں کہ۔ ”اعتقاد و عمل صلح (اتباع شریعت)
کی سعادت حاصل ہو جائے تو پھر توفیق ایزدی سے عالم حقیقت کی طرف پرواز
ممکن ہے ان دونوں کے بغیر کوئی بھی وہاں تک پرواز نہیں کر سکتا۔“

محال است سعدی کہ راہ صفا : توں رفت جز در پئے مصطفیٰ (۲۱۷)
 دیدار خداوندی یا غیبی صورتوں کا مشاہدہ مقصود سلوک نہیں بلکہ سکون و اطمینان
 کے ساتھ احکام شرعیہ کی ادائیگی ہے اسی لیے آپ مرزا حسام الدین کو تحریر فرماتے ہیں کہ۔
 ”سلوک سے مقصود صرف یہی ہے کہ شرعی اعتقادات پر ایمان پختہ ہو جائے
 اور احکام شرعیہ کی ادائیگی دل جمعی سے ہوتی رہے۔ دیدار الہی کا وعدہ تو
 صرف آخرت کے لیے مخصوص ہے۔ اس لیے یہ سعادت دنیا میں نہیں میسر
 ہو سکتی“ (۲۱۸)

اور اسی بات کی تعلقین کرتے ہوئے ملا شکیبی صفہائی کو تحریر فرماتے ہیں۔
 ”سلوک اس لیے نہیں کہ غیبی صورتوں کا مشاہدہ کیا جائے بلکہ اس سے مقصود
 یہی ہے کہ شرعی عقائد کی صداقت پر یقین کامل حاصل ہو جائے“ (۲۱۹)

اس طرح سلوک یا طریقت و حقیقت شریعت
 کے تابع و خادم ہیں، دونوں میں بال برابر

بھی تضاد موجود نہیں۔ اسی لیے حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ۔
 ”میں انتہائی یقین سے کہتا ہوں کہ سلوک (طریقہ صوفیہ) خادم علوم
 شرعیہ ہے“ (۲۲۰)

آپ ملا حاجی محمد لاہوری پر واضح فرماتے ہیں کہ۔
 ”طریقت و حقیقت شریعت کے تیسرے جزو، اخلاص کی تکمیل میں شریعت
 کے خادم ہیں“ (۲۲۱)

شرائط سلوک کے مطابق احوال و مواجید سلوک کے مقصود نہیں بلکہ شرع سے
 تصدیق نہ ہو تو یہ بے وقعت ہیں۔

مرزا حسام الدین کو تعلقین فرماتے ہیں کہ۔
 ”اللہ کے نزدیک وہ تمام احوال و مواجید بے قیمت ہیں جو عین شریعت
 نہ ہوں، اور اس کشف و الہام کی قدر و قیمت نصف جو کے بھی برابر نہیں

جو کتاب و سنت کے مطابق نہ ہو (۲۲۲)۔

اور یہی حقیقت ملاحی محمد لاہوری پر واضح فرماتے ہیں کہ۔

”جو لوگ غلط فہمی کی بنا پر احوال و مواجید یا کشف و کرامات کو اپنا

مقصود بنا لیتے ہیں وہ کمالات شرعیہ سے محروم رہتے ہیں۔ احوال و

مواجید مقدمہ مقصود ہیں خود مقصود نہیں (۲۲۳)

شیخ محمد چہرزی کو تحریر فرماتے ہیں کہ جو شریعت کو ثانوی حیثیت دیتے ہیں وہ گمراہ ہیں۔

”جو لوگ شریعت کو پوست اور حقیقت کو مغز قرار دیتے ہیں وہ حقیقت سے

بے خبر ہیں۔ اور صوفیائے خام کی بے ہودہ باتوں میں اگر مقامات

احوال پر دل لگائے بیٹھے ہیں“ (۲۲۴)

اس کے برخلاف سلوک تو شریعت پر ایمان لانے والوں کو عزم و استقلال عطا

کرتا ہے۔ انہیں راسخ العقیدہ مرد مومن بناتا ہے، انہیں چوں چرا کے مندبذ عالم

سے نکال کر جذب و کیف کی لذتوں سے مدہوش بنا دیتا ہے۔

حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ شیخ نظام الدین تھانی سرگئی کو لکھتے ہیں۔

”کسی نے حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس اللہ سرہ سے دریافت کیا

کہ سلوک سے مقصود کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ سلوک سے مراد یہی ہے کہ

اجمالی معرفت تفصیلی ہو جائے اور استدلالی کیفیت پر کشفی رنگ

غالب آجائے۔ عالم استدلال سے معلوم کرتا ہے کہ خدا ہے، صوفی

عقلی دلائل سے نہیں اپنے کشف صحیح سے معرفت حاصل کرتا ہے اور

اس کشف کی بدولت وہ مطمئن ہو جاتا ہے۔ جس طرح حضور صلی اللہ

علیہ وسلم علوم شریعت بذریعہ وحی حاصل فرماتے تھے، صوفیائے کرام

انہیں بذریعہ کشف حاصل کرتے ہیں اور انہیں یہ استعداد و صلاحیت حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں آپ کی اتباع کامل کی بدولت ملتی ہے“ (۲۲۵)

اسی لیے فرقہ ناجیہ اہل سنت و بنا کا عقیدہ ہے کہ وہی سلوک یا طریقہ صوفیہ برحق

ہے۔ جو تدبیر و تشریح سے مربوط و وابستہ ہو۔ طریقت و حقیقت دونوں شریعت کی حقیقت ہیں، نہ کہ شریعت اور ہے اور طریقت و حقیقت کچھ اور۔ انہیں ایک دوسرے سے علاحدہ علاحدہ سمجھنا الحاد و زندقیت ہے“ (۲۲۷)

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ سرہ کے صاحبزادوں کو تحریر فرماتے ہیں کہ سلوک پر اس غرض سے عمل پیرا نہ ہوں کہ اس کی بدولت اعتقاد و عمل سے بڑھ کر کوئی شے زائد حاصل ہو جائے کیونکہ ایسا سوچنا گویا مجہد کے اختیارات میں مداخلت کرنا ہے۔ اس کے برخلاف سلوک کا تو صرف اتنا سا کام ہے کہ وہ ایمان کو شک و تردید سے مطہر بنا دے۔ آپ فرماتے ہیں کہ۔

”بلکہ مقصود آنست کہ نسبت بمعتقدات یقینہ و اطمینان حاصل کنند کہ ہرگز بہ تشکیک مشکک زائل نہ گرد و ایراد و شبہ باطل نہ شود، چہ پائے

استدلال چو بین است و مستدلی بے تمکین“ (۲۲۸)

یعنی۔ بلکہ سلوک سے مقصود یہی ہے کہ اعتقادات سے تعلق یقینی ہو جائے اور اس حد تک اطمینان حاصل ہو جائے کہ لاکھ ترروں میں ڈالنے والے کو کوشش کریں پھر بھی تذبذب نہ پیدا ہو، اعتماد و یقین قائم رہے اور ایمان زائل و باطل نہ ہونے پائے، کیونکہ استدلال جس پائے پر قائم ہے وہ تو لکڑی کا بنا ہوا ہے اور منطقی دلیلوں کا سہارا لینے والا کبھی بھی بات پر جما نہیں رہتا بلکہ ڈھیل یقین رہتا ہے“

سلوک یا طریقت و حقیقت شریعت ہی کا حقیقی روپ ہیں۔ اس حقیقی رشتے پر میر حاصل روشنی ڈالتے ہوئے اپنے طویل مکتوب میں مرزا شمس الدین بر واضح فرماتے ہیں کہ شریعت کی ایک تو صورت ہے اور ایک حقیقت یعنی شریعت کے دورخ میں ظاہری اور باطنی۔ اگر ہم نفس امارہ کے مقابلے میں ثابت قدمی سے ڈٹے رہیں اور اس کی سرکشی کے باوجود احکام شرعیہ کی تعمیل بصد عجز و نیاز کرتے رہیں تو ایک وقت ایسا آتا ہے کہ جب نفس امارہ مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے، اس میں شریعت کی فنا لفت میں دم مارنے

کی سکت تک باقی نہیں رہتی تو پھر نفسِ مسلمٰنے کی ہیئت اختیار کر کے منشاءِ خداوندی کے آگے سر تسلیم خم کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنے فضل و کرم کا دروازہ دہرا کر دیتا ہے۔ اور اس منزل پر فائز ہونے والے مرد مومن کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے، اللہ ولی الذین امنوا اللہ تو ایسے مرد مومن کا دوست ہے۔ اس طرح ولایت عامہ کی سند حاصل کر کے مرد مومن طریقت پر قائم رہتے رہتے اللہ تعالیٰ کی اس حد تک خوشنودی (رضنا) حاصل کر لیتا ہے کہ خود اس کی رحمت جوش میں آتی ہے اور اپنے بندہ مومن کو "ولایت خاصہ" کی سند پر بیٹھنے کا پروانہ عطا فرما کر شریعت کے راز ہائے سر بستہ سے اس کے سینے کو مملو (شرح صد) فرما دیتا ہے۔ یہی وہ لمحہ ہے جب "صورت شریعت" حقیقت کا روپ اختیار کر لیتی ہے۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ سالک شریعت پر چل کر ہی طریقت سے ولایت خاصہ کے مرتبے تک ترقی حاصل کرتا ہے۔ طریقت مقدمہ ولایت ہے اور اس سے ترقی کر کے ولایت خاصہ کی برکتوں سے حقیقت شریعت سے آگاہی حاصل ہوتی ہے اور پھر اسی عالم میں یعنی مقامِ رضا و مقامِ فنا پر فائز ہو کر :-

"سالک پر اسلامی شریعت کی حقیقت منکشف ہو جاتی ہے۔ اب اس کی نماز حقیقت نماز ہوتی ہے اور اسی پر سائر احکامِ اسلامیہ کو قیاس کر لو۔ جب سالک حقیقتِ اسلام سے سیراب ہو جاتا ہے تو پھر اس میں کمالاتِ نبوت میں سے وراثت و تبعیت کے رنگ میں تھوڑا بہت حصہ مل جاتا ہے۔ گویا کمالاتِ نبوت حقیقت شریعت کا ثمرہ ہیں" (۲۲۹)

لیکن ہمیں اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ کمالاتِ نبوت سے فیضیاب ہونے ہی سالک شریعت سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اس کے برخلاف وہ ہمہ دم شریعت کا محتاج رہتا ہے کیونکہ :-

"شریعت سائر کمالات کے لیے اصل لاصول ہے۔ درخت اپنی جڑ سے اور مکان اپنی بنیادوں سے مستغنی نہیں رہ سکتا بالکل اسی طرح سالک ہر حال میں اور ہر وقت شریعت کا محتاج رہتا ہے" (۲۳۰)

اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے مخدوم زادوں کو تحریر فرماتے ہیں کہ -
 "حقائق و معارف احکام شریعت کے ثمرات و نتائج ہیں۔ پھلوں سے
 استفادہ ہی شجر کاری کا مقصود ہے۔ جو شخص درخت ہی کو بیخ و بن سے
 کاٹ ڈالے وہ پھلوں کی توقع کیسے رکھ سکتا ہے! درخت کی آبیاری جس
 تدریج سے کی جائے گی پھل بھی اسی انداز و کثرت سے ملیں گے۔ پس شریعت
 بھی ایسے ہی پھل دار درخت کی طرح ہے۔ جس کی اتباع ہر حالت میں لازمی
 ہے۔ اس لیے جو بھی شریعت کو نظر انداز کرے گا اسے حقائق و معارف کے ثمرات
 نہیں مل سکتے" (۲۳۱)

اس طرح شریعت کی ظاہری و باطنی دونوں حالتوں میں بال برابر فرق نہیں بلکہ
 باطنی شریعت اپنی خدمات سرانجام دیتے ہوئے ظاہری شریعت کی تکمیل میں نمایاں کردار
 ادا کرتی ہے۔ شریعت، طریقت اور حقیقت تینوں میں فرق بیان فرماتے ہوئے حضرت
 امام ربانیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ -

"باطن متم ظاہر است و مکمل آن۔ سر موعے با یک دیگر مخالفت نہ دارد
 مثلاً دروغ باز با ننگ گفتن شریعت است و از دل نفی خاطر کند بنمون
 طریقت و حقیقت است۔ اگر نفی بہ تکلف و تامل است طریقت ست اور اگر
 بے تکلف میسر است حقیقت" (۲۳۲)

یعنی - "باطنی شریعت پورے طور پر ظاہری شریعت کی تکمیل کرتی ہے دونوں میں
 ایک دوسرے سے بال برابر مخالفت نہیں پائی جاتی مثلاً زبان سے جھوٹ
 نہ بولنا شریعت ہے اور دل کی گہرائیوں سے جھوٹ کی تردید کرنا طریقت
 و حقیقت ہے۔ اگر اس تردید میں تکلف کا شائبہ ہو تو پھر یہ طریقت
 ہے ورنہ بلا جھکد بلا تردد اس کی تکذیب کی سعادت میسر ہو جائے تو یہی
 حقیقت ہے۔"

اس لیے اگر سگردستی کے عالم میں غلبہ حال کی وجہ سے سالک سے خلاف شریعت

کوئی بات ظاہر ہو جاتی ہے تو ہوش میں آتے ہی وہ فوراً اس کی تردید کر دیتا ہے اور علوم متفادہ، خلاف شرع علوم، ہنویا، فنون اور حصول غبار کی طرح اڑ کر خاک میں مل جاتے ہیں۔ (۲۳۳)

شرائط سلوک | سلوک کی منزلیں طے کرتے ہوئے روحانی ترقی حاصل کرنے کے لیے اولیں و آخریں شرط مخالفت نفس ہے۔ ضابطہ شریعت کے ارکان اربعہ کی پابندی، اوامر و نواہی کی تعمیل اور مباحات فضولیہ سے اجتناب کی بدولت تقویٰ کی برکتوں سے سالک میں مخالفت نفس کی قوت برابر پیدا ہوتی رہتی ہے اس لیے تقویٰ کے زور سے نفس امارہ کو مغلوب بنا کر سالک و طالب مقام فنا و رضا بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر روحانیت کی اعلیٰ ترین منزل پر فائز ہو جاتا ہے۔

وسائل سلوک | اس لیے سلوک کی منزلیں طے کرنے کے لیے وسیلوں کا سہارا لینا ضروری ہے حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ نے چار وسیلوں کی نشان دہی فرمائی ہے۔

(۱) ذکر الہی (۲) نواہی سے اجتناب (۳) فرائض کی ادائیگی (۴) مرشد و رہنما کی طلب۔ آپ فرماتے ہیں کہ ان وسیلوں کو اپنا نامین منشائے خداوندی ہے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ۔ **وَابْتَغُوا إِلَيْهَا السَّبِيلَ**۔ اس تک رسائی کے لیے وسیلہ تلاش کرتے رہو۔

شیخ کامل کی ضرورت و اہمیت

مذکورہ چاروں وسیلوں میں شیخ کامل کی ضرورت و اہمیت اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اس کی نگرانی اور رہنمائی ہی میں پہلے تین وسیلوں سے صحیح اور موثر انداز میں پھر پور فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

اسی لیے حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ سلوک کی منزلوں اور طے

کرتے ہوتے روحانی ترقی شیخ کامل کی رہنمائی ہی میں ملیر ہو سکتی ہے۔ مولانا
امان اللہ کو تحریر فرماتے ہیں کہ۔

”لیکن بدانکہ کہ اس قطع منازل و عروج مدارج والیہ توجہ
و تصرف شیخ کامل مکمل راہ و اہ راہ ہیں رہ نماست کہ نظر او
نشانی امراض قلبیہ است و توجہ او دافع اخلاق ردیہ نامر صیہ
پس اول طلب شیخ نماید۔ اگر بہ محض فضل خداوندی جل شانہ
شیخ را بادوانانند، معرفت شیخ را نعمت عظمی تصور کرده خود را ملازم
اوسازد“۔ (۲۳۴)

یعنی۔ لیکن اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ سلوک کے منازل طے
کرنے اور روحانی مدارج تک ترقی حاصل کرنے میں شیخ کامل
مکمل کی توجہ و تصرف لازمی ہے۔ وہ راہ حق و صراط مستقیم سے
اچھی طرح واقف راہ دال ہے، اس کی چشم بصیرت اس راہ حق
کو احاطہ کیے ہوئے ہے، اس لیے ہر وقت اس کی نظروں میں
رہنے کی وجہ سے وہ راہ میں بھی ہے ایسے شیخ کامل کو رہنما بنا کر بغیر
روحانی ترقی محال ہے۔ اسی کی نظر قلبی بیماری کہ یہ نشانہ ہے،
شفا کی تاثیر رکھتی ہے۔ اور اسی کی توجہ سے بغیر پسندیدہ اخلاق ردیہ
سے نجات مل جاتی ہے۔ اس لیے سالک کا دل میں فریبندہ یہی ہے کہ
وہ ایسے شیخ کو جستجو میں رہے۔ اگر محض فضل خداوندی جل شانہ
کی بدولت ایسے شیخ کو پہچان رہے تو اس معرفت شیخ کو نعمت
عظمی تصور کرتے ہوئے خود کو اس کا ملازم بنا لے اور اس کے دامن
سے وابستہ ہو کر رہ جائے۔

شیخ کامل مستقیم الحال ہوتا ہے۔ یعنی مسکراہد مستی اور حال میں مدہوش ہو کر
بھی ہر حالت میں شریعت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتا ہے۔ اس لیے کسی بھی صورت

میں سنت کی خلاف ورزی اس سے سرزد نہیں ہوتی لاکھ حال کا غلبہ ظاہری ہو جائے وہ "سہو" میں بہکر "صحو" کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ شیخ فرید کو تخریب فرماتے ہیں کہ۔

"مشائخ مستقیم الاحوال از قسم سخناں تنزہ می نمایند و در جمیع مراتب شریعت و طریقت و حقیقت اطاعت حق سبحانہ را اطاعت رسول اومی دانند۔ اطاعت حق سبحانہ کہ در غیر اطاعت رسول اوست علیہ الصلوٰۃ والسلام عین ضلالت می انگارند۔"

یعنی مستقیم الاحوال یا ہر حال میں شریعت پر قائم رہنے والے مشائخ اس قسم کی خلاف شرع باتوں سے بریت ظاہر کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ شریعت، طریقت اور حقیقت کے تمام مراتب میں اطاعت حق سبحانہ اس کے رسول کی اطاعت کے طفیل میں پوری ہو جاتی ہے اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ کسی اور کے سہارے حق سبحانہ کی اطاعت تو عین ضلالت و گمراہی ہے۔

"اس لیے سچے اور جھوٹے شیخ کے درمیان شریعت میں استقامت اور عدم استقامت کو دیکھ کر فرق ظاہر ہو جاتا ہے۔ جو سچا ہے وہ سکرامستی اور پلے خودی کے باوجود بال برابر بھی شرع کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔" (۲۳۶)

"مرشد کامل وہی ہے جو اپنے مرید کو اللہ تعالیٰ کی طرف راغب کرتا اور اس تک رسائی کے لیے رہنمائی کرتا ہے۔" (۲۳۷)

اس لیے اس کی رفاقت و رہنمائی میں سالک کو کسی قسم کی فکر لاحق نہیں ہوتی۔ اگر کوئی کوتاہی سرزد بھی ہو جاتی ہے تو شیخ اسے سنبھال لیتا ہے اس طرح اسے اپنی غلطی کے تدارک کا موقع مل جاتا ہے۔ اس لیے جب تک شیخ کامل نہ ملے بارگاہ ایزدی میں اس تک رہنمائی کے لیے التجا کرتا رہے (۲۳۸)

مرشد کامل کی پہچان یہی ہے کہ اس کے حلقے میں بیٹھتے ہی جذب و کیف

کا عالم طاری ہو جاتا ہے اور اللہ کی طرف خود بخود دل کھینچتا ہے۔ ہاں اس سے
 دلی تعلق قائم رکھنا اولین شرط ہے۔ اگر مناسبت نہیں تو پھر استفادہ بھی ممکن نہیں۔ (۱۳۹)
 دمرشد کامل "پیر شریعت" ہوتا ہے "پیر خرقہ نہیں"۔ وہ "پیر شریعت" بھی ہے اور "شیخ
 طریقت" بھی اس لیے وہ اپنے مرید کی رہنمائی حق سبحانہ کی طرف کرتا ہے اور سنت نبویہ
 کی پیروی پر اسے ترغیب دیتا ہے۔ مرشد کامل "عالم شریعت" بھی ہے اور "صاحب
 سلوک" ولی بھی۔ ایسا صاحب سلوک مرشد شریعت تو کبریتِ احمر کے برابر قیمتی ہے۔
 کیونکہ وہ ظاہری و باطنی تبلیغ کی اہلیت رکھتا ہے اور وہی دراصل آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم کا حقیقی وارث و نائب ہے۔ (۲۲)

حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ حضرت ملا طاہر بدخشی کو آداب سلوک
 کی تلقین کرتے ہوئے شیخ کامل کی خصوصیات یوں بیان فرماتے ہیں :-

"ہم فقروں پر لازم ہے کہ بارگاہِ ایزدی میں انتہائی عجز و نیاز سے اپنی
 بندگی کا اعتراف کرتے رہیں۔ بندہ ہونے کی حیثیت سے جو بھی
 فرائض عائد ہوتے ہیں انہیں انتہائی اخلاص کے ساتھ پابندی سے
 ادا کرتے رہیں۔ احکام شرعیہ کی تعمیل اور سنت نبوی کی اتباع
 ہی نہ کریں بلکہ ان کی محافظت کے فرائض بھی سرانجام دیں۔ نیت
 پاک رکھیں اور طاعات و خیرات میں منہمک رہیں اپنے نفس کا احتساب
 کرتے ہوئے اپنے عیبوں اور گناہوں کا جائزہ لیتے رہیں، اللہ
 کے انتقام سے ہر وقت ڈرتے رہیں اور اپنے مرید کے مال کی
 طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیں" (۲۴۱)

ایسا شیخ کامل بذاتِ خود کرامت ہے کیونکہ وہ اپنی روحانی قوت سے
 اپنے مرید کے اندر انقلاب برپا کر دیتا ہے اور اسے روحانی بالیدگی بخشتا
 ہے اور یہ کام بذاتِ خود بہت بڑی کرامت ہے۔ بلاشبہ اللہ کی آیتوں میں سے
 ایک بہت ہی بڑی آیت ہے، اور انسانوں کے حق میں رحمت ایزدی کے

اعلامت ہے اس کے کلام میں تاثیر اور اس کی نظر میں شفا ہوتی ہے۔ اس کا ہم نشین
وہ نیک رحمت حق سے محروم نہیں رہتا (۲۴۲)

”مرشد کے لیے صاحب کرامات و معجزات ہونا ضروری نہیں۔ کرامات نہ تو ارکان
ولایات میں شامل ہیں اور نہ ہی شرائط سلوک میں۔ اب رہی معجزات کی بات تو وہ
شرط نبوت ہیں۔ اگرچہ اولیا سے کرامات ظاہر ہوتی ہیں لیکن یہ ہرگز افضلیت
کی دلیل نہیں بلکہ قرب ایزدی کے زیادہ سے زیادہ بلند درجات پر فائز ہونے کی
بدولت افضلیت ثابت ہوتی ہے۔ مرشد کا مل القائے شیطانی سے بھی محفوظ رہتا
ہے۔ انبیائے کرامؑ تو وحی خداوندی کی رہنمائی میں القائے شیطانی سے محفوظ رہتے
ہیں، مگر وہی کامل وہی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع کامل ہو اس لیے آپ
کے صدقے میں وہ القائے شیطانی کی زد سے یوں محفوظ رہتا ہے کہ وہ ہر اس
قول فعل یا خیال کو رد کر دیتا ہے جو خلاف سنت ہو۔ اگر کسی معاملے پر سنت نبویؐ
بھی ہے تب بھی تعمیل شریعت کے ثمرے میں جو فلاح داریں کی دولت عظمیٰ اسے حاصل
ہوتی ہے اسی کی بدولت مرشد کامل کی ولایت میں اسے (القائے شیطانی)
مداخلت کی راہ نہیں مل پاتی (۲۴۳)

”مرشد کامل قرآن و سنن پر فکر و فکر کو ترجیح نہیں دیتا۔ ہاں! صوفیائے خام
محض ذکر و فکر کو ضروری سمجھتے ہیں۔ یہ تو ان کی سراسر نادانی ہے کہ قرآن و سنن
کی ادائیگی میں کوتاہی برتتے ہیں اور سارا زور ریاضت و چلہ کشی پر ارن کر دیتے
ہیں حتیٰ کہ بعض جاہل سرفیاء جو اور جماعت کو بھی ترک کر دیتے ہیں۔ وہ تو اسے بھی نہیں
مانتے کہ باجماعت ایک فرض نماز کی ادائیگی ہزار چیلوں سے بہتر ہے۔ البتہ تقاضائے
شریعت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ذکر و فکر میں مشغول رہنا اچھی بات ہے (۲۴۴)
”فرمان ایزدی ہے کہ فَخَلَقُوا بِأَخْلَاقِ اللَّهِ، اللہ جل شانہ کے اخلاقیات
ان مناسبت سے اپنے اخلاقیات کو ڈھال لو، اسی سے ولایت اخذ کی گئی ہے۔ لیکن
اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات حسنہ اپنا کر سب الٰہ کی ذات اللہ تعالیٰ

تی
کی ذات میں مدغم ہو جائے کیونکہ یہ امر محال ہے کہ ممکن (بند) واجب (فدا)
بن جائے یا واجب ممکن (۲۴۵)

”خواجہ محمد پارحمتہ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے
ہیں کہ جو بھی سالک صفت ”مخفی“ سے متصف ہو جاتا ہے وہ سنن متروکہ کو ذرا
زندہ کر کے اسے رائج کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح صفت ”مجتہد“
(مارنے والا) سے ہمیز ہو کر سالک کفر و کافری اور واسم غیر شرعیہ کے خلاف
جہاد کر کے انہیں فنا کر دیتا ہے۔ اسی طرح دوسری صفات حسنہ کی تاویل
ہو سکتی ہے“ (۲۴۶)

”شیخ کامل ان سالک و طالب کی بھی اصلاح کر سکتا ہے جن کے قدم پر
ناقص کی غلط رہنمائی کی بنا پر سلوک کی منزلوں سے بہک چکے ہیں۔ وہ حسب
حال ان کی زمین استعداد میں صالح نغم ڈالتا ہے۔ پس طالب حق کے لیے شیخ
کامل کی رفاقت ”کبریت احمر“ کا حکم رکھتی ہے۔ اس کی نظر طالب کے لیے دوا
اور اس کی گفتگو شفا کی تاثیر رکھتی ہے“ (۲۴۷)

”جوگیوں کی طرح شیخ کامل شعبہ باز نہیں ہوتا۔ دونوں پانی پر چل کر
اپنی قوت کا مظاہرہ کر سکتے ہیں لیکن جوگی صاحب استدراج ہوتا ہے وہ کثرت
ریاضت سے اس قدر مشق کر لیتا ہے کہ پانی پر چلنے کا شعبہ دکھانے کی صلاحیت
اس میں پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن شیخ کامل اتنا نبوت کی اس اعلیٰ ترین منزل
پر فائز ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی مرضی و نشانے اس قسم کے مظاہروں
کی سعادت عطا فرمادیتا ہے۔ اس کے حضور میں بیٹھتے ہی طالب کا دل خود بخود
اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو جاتا ہے اور یہی اس کی امتیازی نشان ہے در
کرامات و معجزات اس کی ولایت کے لیے شرط نہیں ہیں بلکہ علوم و معارف
اسلامیہ کا بیان کرنا ہی اس کی سب سے بڑی کرامت ہے“ (۲۴۸)

طالبِ سالک کے آداب

الطَّرِيقَةُ كُلُّهَا أَدَبٌ

دو طالبِ جذبہ صادق

در منزل ہر جذبہ طلب کے لیے سوز و گداز ہو تو پھر طالبِ قربت
ایزوق کے لیے بے قرار پھر نظر آتا ہے۔ یہ بھی خدا کی دین ہے۔ جسے چاہتا ہے
جذب و اشتیاق کی طلب سے نوازتا ہے۔ کسی بزرگ نے کیا خوب کہا ہے کہ۔
"اگر نخواستے واداء نہ واد سے خواست" (۲۳۹)

یعنی۔ اگر وہ (خدا) نہ چاہے تو پھر طلب کا جذبہ پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔
اس لیے طلب ایک عطیہ لکھتی ہے، ایک ایسی نعمت عظمیٰ ہے جسے غفلتِ سستی
اور سردی سے کھونا نہیں چاہیے بلکہ اس نعمتِ خداوندی پر برابر اس کی بارگاہ
میں ہدیہ شکرانہ پیش کرنا چاہیے، کیونکہ اسی کا وعدہ ہے کہ لَبِّنْ شُكْرًا
لَا زَيْدًا شُكْرًا، تم شکر ادا کرتے رہو میں اسی لحاظ سے اپنی نعمتوں میں
اضافہ کرتا رہوں گا۔ اسی کے ساتھ بارگاہِ ایزدی میں بصدِ عجز و نیاز گڑ گڑا
کر یہی دعا مانگنا چاہیے کہ۔

"خدا یا! میرے طلب کے چہرے کو اپنے دائمی جمال کے کعبے سے

بچھیر۔"

طلب کا جذبہ صادق دل میں موجزن ہو تو پھر طالبِ ایک ایسے شیخی
کاملِ اکمل کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے جو مقام "بیرزخ" پر فائز ہو

اور "عالم خلق" اور "عالم امر" کے مابین وسیلے کی حیثیت رکھتا ہو۔
 "اسے ایسے ناقص پیر، پیر خرقہ یا صوفی خام سے دور بھاگنا چاہیے جو بولے
 نسانی کا غلام ہو، جس نے سلوک کی منازل کسی شیخ کامل کی رہنمائی میں طے نہ
 کی ہوں اور جو خود طالبوں کی استعداد و صلاحیت کو پرکھنے کی نظر نہ رکھتا ہو
 ایسا پیر طالب کو گمراہ کر دیتا ہے اور اپنے ساتھ اسے بھی لے ڈرتا ہے" (۲۵۰)
 "ایسے ناقص پیر کی چٹیت اس انارٹی طیب سے زیادہ نہیں جس کے علاج
 سے افاقہ کے بجائے مرض بڑھتا جاتا ہے اور بسا اوقات جان کے لالے
 بڑھ جاتے ہیں" (۲۵۱)

(ب) سالک کے آداب

شیخ فانی ایچ
 "شیخ کامل مکمل کی رہنمائی قبول کرنے کے بعد سالک خود کو اسکی
 مرضی کے حوالے کر دے اور اس طرح بن جائے جس طرح مرد
 اپنے غسل کے رحم و کرم پر ہوتا ہے" (۲۵۲) ایسے عالم میں سالک "فانی الشیخ"
 ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر سالک ثابت قدمی سے چارہا تو پھر یہی "فانی الشیخ"
 "فانی اللہ" کے لیے وسیلہ بن جاتا ہے" (۲۵۳)

اتباع شریعت
 مگر اس مقام پر پہنچنے کے لیے سالک کو دو شرائط کی ہمہ
 دم پابندی کرنا ہوگی۔

- (۱) صاحب شریعت کی اتباع۔ اسے ضابطہ شریعت کی پوری پوری پابندی کرنا۔
- (۲) دنیا کے تنعمات سے اجتناب۔ احکام شریعت کے مطابق اوامر و نواہی
 حلال و حرام، حقوق اللہ، حقوق العباد اور مباحات فضولہ سے متعلق ترک حکمی کی
 پابندی ضروری، حقوق العباد میں مقدم ترین حق والدین کا ہے۔ قرآن شریعت میں
 حقوق والدین کی ادائیگی پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے۔ حضرت امام ربیع

قدس اللہ سرہ کے ایک مکتوب سے ثابت ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی والدین اپنے حقوق کی خاطر اپنے پسماندگان کی توجہ کے طالب ہوتے ہیں۔ شریف الدین بدخشی کے والد ماجد کے انتقال پر تعزیتی مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ۔

” فرزند! ہر کرو اور جو وفات پاچکے ہیں، دعا و استغفار سے انکی امداد کرو کیونکہ مردوں کو زندوں کی احتیاج زیادہ ہوتی ہے کہ انہیں استغفار سے ثواب پہنچاتے رہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ زندوں کا ہر یہ مردوں کے لیے یہ ہے کہ وہ ان کے حق میں استغفار کرتے رہیں (۲۵۴)“

اسی طرح شیخ حبیب اللہ کے والد کے انتقال پر ملا عبد الکریم سنائی کے ذریعہ پیغام تعزیت ارسال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ۔

” فقیر کی جانب سے اظہار تعزیت کے بعد ان سے کہیں کہ دعا، فاتحہ، صدقہ اور استغفار سے اپنے والد مرحوم کی امداد و اعانت کریں کہ میت ڈوبنے والوں کی طرح کسی سہارے کی محتاج و منتظر رہتی ہے اور اس سے دعا کی امید رکھتی ہے کہ اس کے حق میں اس کی اولاد، ماں، باپ، بھائی یا دوست پہنچاتے رہیں (۲۵۵)“

ان خطوط سے ظاہر ہوتا ہے کہ میت کے حق میں فاتحہ پڑھنا اور دعا کرنا جائز ہے۔

” سالک پر یہ بھی لازم ہے کہ صرف ان ہی بزرگ ہمتوں کی رفاقت اختیار کرے جنہیں خود اللہ تعالیٰ نے اپنا

محبوب اپنا ولی (اولیاء اللہ) قرار دیا ہے، کیونکہ المرؤمع من احببہ اللہ ان کی نشاۃ اس ہمتی کی رفاقت سے ہوگی جسے وہ دل کی گہرائیوں سے محبوب رکھتا ہے۔ فرماں ایزدی بھی یہی ہے کہ **وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ**، اے رسول! صبر اللہ علیہ وسلم اپنی ذات ان لوگوں کے ساتھ وقف فرما دینے جو صبح شام ہر وقت اپنے رب کو پکارتے اور اسی کی طرف

لوگائے رہتے ہیں (۲۵۶)

فرصت کے اوقات میں اہل اللہ شیخ کاہل کی خدمت
ضابطہ آداب و اخلاق میں حاضری دینا چاہیے۔ حکیم عبدالوہاب آپ کے
 آستانے پر دو مرتبہ گئے لیکن جلدی میں تھے اس لیے ملاقات کئے بغیر ہی واپس
 چلے گئے اس پر آپ نے انہیں تلقین فرمائی کہ اہل اللہ کی خدمت میں اپنے ہر کام
 سے فارغ ہونے کے بعد فرصت کے اوقات میں خالی ہو کر حاضری دینا چاہیے
 کہ پڑھو کر پوری طرح سیراب ہو کر واپس جائیں اور ان کے حضور تہی دامن
 بن کر جانا چاہیے کہ ان کے فیض کا دروازہ وا ہو جائے۔ اسی بات کو یوں حضرت
 بہاؤ الدین نقشبند قدس اللہ سرہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

”اول نیاز خستہ، بعد از توجہ خاطر شکستہ“ (۲۵۶)

یعنی۔ پہلے اظہار نیاز مندی، پھر دل شکستہ کے جوڑنے کی طرف توجہ۔

اہل اللہ شیخ کاہل کو ایسے القاب سے خطاب نہیں کرنا چاہیے جن سے
 کبر و نخوت اور کفر و شرک کی بو آتی ہے۔ اسی بنا پر آپ مرزا بدیع الزمان کو
 تلقین فرماتے ہیں کہ۔

”تم نے مجھے اپنے مکتوب میں ”خدیونشا تین“، مالک دو جہاں کے

لقب سے مخاطب کیا ہے، یاد رکھو یہ صفت تو حضرت واجب الوجود

کی ہے جس کی نشان انتہائی جلیل ہے۔ یہ بندہ ناچیز جو کسی چیز پر

قاور نہیں اس اللہ سے شرکت کا طالب کس طرح ہو سکتا ہے جو

مالک بدیع الدین بھی ہے اور واحد تبارک بھی۔ (۲۵۸)

جس ”سائل و سائل دنیوی“ کے یہ آداب مقرر ہیں اسی طرح وصول الی اللہ

کے بھی کچھ آداب ہیں حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ایسا شیخ

کاہل مکمل بفضل خداوندی مل جائے تو پھر خود کو اس کے حوالے کر کے

اسی کی پیروی کو حسد ز جان بنالینا چاہیے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

رسلم فرماتے ہیں کہ لَمْ يُولُ مِنْ أَحَدٍ كُمْ حَتَّىٰ يَكُونَ هُوَ أَهٗ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ
بِهٖ تَمَّ يَمِينٌ سَمِيٌّ كَوْنِي شَخْصٌ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی ہوائے
فضائی اس چیز کے تابع نہ ہو جائے جسے میں لیکر آیا ہوں۔ شیخ کامل آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہوتا ہے اس لیے سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنی خواہشات،
اپنی مرضی کو شیخ کامل کی مرضی پر چھوڑ دے۔

سالک کے آداب پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ شیخ
حمید کو تحریر فرماتے ہیں کہ۔

” طریقہ صوفیہ کے سالک کو چاہیے کہ شیخ کامل کے حضور میں دل کی گہرائیوں
سے اسی کی طرف متوجہ رہے۔ کسی مسئلے میں خود کوئی فیصلہ نہ کرے، دل میں شبہ پیدا
ہو تو بلا تکلف ظاہر کر دے، اپنا کوئی راز پوشیدہ نہ رکھے، بلند آواز میں گفتگو
نہ کرے۔ اپنے کثرت کو قابل اعتبار نہ سمجھے اور جو بھی فیوض و برکات حاصل ہوں
انہیں شیخ کی طرف سے قبول کرے۔ نہ تو شیخ کے وضو کی جگہ طہارت کرے نہ ہی
اگل کے مصلے پر اپنا قدم رکھے۔ اس کی عدم موجودگی میں اس سمت کی طرف
اپنے پاؤں دراز نہ کرے جہاں اس کا مقام ہو اور نہ ہی اس طرف اپنا تھوک
پھینکے۔ اس کی ہدایات پر بلا چوں چرا عمل کرے۔ اس پر کوئی اعتراض نہ اٹھائے
اور نہ ہی اس سے کسی سبھی کرامت کا مطالبہ کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے
کسی بھی مومن نے معجزے کا مطالبہ نہیں کیا کیونکہ معجزات طلب کرنا تو منکرین
کا کام ہے“ (۲۵۹)

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ تاکید فرماتے ہیں کہ اس کی حضور میں صرف
اسی کی طرف دل و جان سے متوجہ رہے حتیٰ کہ فرض و سنت نمازوں کی ادائیگی کے
علاوہ کوئی اور کام بلا اجازت سرانجام نہ دے۔ فرائض و اذکار میں بھی اسکی
اجازت کے بغیر مشغول نہ ہو۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ۔

۱۶۷
"الطَّرِيقُ مَكْمَلَةُ الْاَدَبِ" (۲۶۰)

یعنی۔ طریقت سراسر ادب کا نام، سراسر ادب کا نام ہے۔

طریقہ عالیہ نقشبندیہ

نقشبندیہ عجب قافلہ سالاراں اند

فی برندازندہ پنہاں بحرم قافلہ را

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ سرہ کے واسطے سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے وہ شیخ کامل مکمل ہیں جو گیارہ صدی سے ایک ہزار سال جیسی طویل مدت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجدد اعظم بنا کر ہماری رہنمائی کے لیے مقرر کیے گئے، آپ نے سلسلہ قادریہ، سلسلہ چشتیہ اور سلسلہ بہروردیہ کے شیخ الشیوخ سے بھی فیض حاصل کیا ہے۔ اس لیے ان سلسلوں کے طریقہ عالیہ کا آپ نے تقابلی مطالعہ فرما کر تجزیہ بھی کیا ہوگا اور پھر آخر کار آپ طریقہ عالیہ نقشبندیہ پر تادم آخر قائم ہی نہیں رہے بلکہ اسی کے مطابق ارباب سلوک کو فیض بھی پہنچاتے رہے۔ آپ نے طریقہ عالیہ نقشبندیہ کو دوسرے سلسلوں پر ترجیح دینے کی وجوہات بھی اپنے مکتوبات میں تحریر فرمائی ہیں۔ انہیں ترتیب دیکر یہاں درج کیا جاتا ہے۔ آپ شیخ محمد چترپی پر اصرار فرماتے ہیں کہ۔

طریقہ ایشاں کبریٰ احمر است و مبنی بر متابعت سنت (۲۶۱)

یعنی۔ ان کا بڑا اثر ہے۔ نقشبندیہ قدس اللہ سرہ ہم کا طریقہ کبریٰ احمر

کی تاثیر رکھتا ہے اور یہی طریقہ متابعت سنت پر مبنی ہے

اسی لیے آپ ہدایات صادر فرماتے ہیں کہ۔

”می باید کہ باطن را بہ نسبت خواجہا قدس اللہ تعالیٰ اسرار ہم معہم اور داشتہ
ظاہر را بہ کلیت بمتبع سنت سنن ظاہرہ متحلی و ممتازین وارند“ (۲۶۲)
یعنی۔ آپ کو چاہیے کہ خواجگان نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرار ہم کی
نسبت عالیہ سے اپنے باطن کو معہم اور کلمہ طور پر متابعت رسول کے
زیادہ سے اپنے ظاہر کو آراستہ پیراستہ وزین رکھیں۔

یہی بات آپ اپنے خواجہ زادوں سے فرماتے ہیں کہ۔

”صوفیہ کرام رحمۃ اللہ علیہم کے طریقوں میں طریقہ عالیہ نقشبندیہ
کو اپنا اولیٰ والنسب ہے کیونکہ اس سلسلے کے بزرگ خواجگان سے
قدس اللہ اسرار ہم نے متابعت سنت کو لازم قرار دیا ہے اور
رواسم کافر سے اجتناب برتنے کی تلقین کی ہے“

”اتباع سنت کی دولت میسر ہے تو اسی پر خوش رہتے اور احوال
کو بیچ سمجھتے ہیں۔ اور جن احوال سے اتباع سنت میں فتور پڑنے
کا اندیشہ ہو تو پھر انہیں ناپسندیدہ قرار دیکر روک دیتے ہیں“ (۲۶۳)
اسی طرح ملا عبدالکریم کو تلقین فرماتے ہیں کہ۔

”اس فنائے قلب کے درجہ عظمیٰ تک پہنچنے کے لیے انتہائی قریبی
راستہ مشائخ نقشبندیہ قدس اللہ اسرار ہم کا طریقہ ہے۔ وہ
اتباع سنت کو لازم قرار دیتے اور رواسم کفریہ سے اجتناب
برتنے ہیں۔ اسی لیے مولانا جامی فرماتے ہیں کہ۔

نقشبندیہ عجب قافلہ سالاراں اند

می برند از رہ پنہاں کرم و تافدرا“ (۲۶۴)

طریقہ نقشبندیہ دوسرے طریقوں کے مقابلہ میں قریب ترین

طریقہ ہے کہ دوسروں کی انتہا سے ابتدا میں نہ زح سے۔

قیاس کن ز گلستان من بہا و مرا

طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی خصوصیات

(۱) خواجگان نقشبندیہ قدس اللہ امرہم کا طریقہ بعینہ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ ہے۔ جنہیں سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کی برکتوں سے ابتدا ہی میں وہ سب کچھ مل گیا جو کسی شیخ کامل کو انتہا میں بھی بڑی مشکل سے ملتا ہے (۲۶۶)

(۲) ”طریقہ عالیہ نقشبندیہ کے سر حلقہ حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں جن کی افضلیت انبیائے کرام صلی اللہ علیہم کے بعد مسلم الثبوت ہے۔ اس لیے تمام نسبتوں میں اس کی نسبت اعلیٰ ہے چونکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ علوم و معارف سے آگاہی دوسرے اصحاب کرام سے زیادہ رکھتے ہیں۔ اسی لیے آپ کے طفیل میں اکابر مشائخ نقشبندیہ بھی دوسروں سے زیادہ علوم و معارف سے آگاہ ہیں“ (۲۶۷)

(۳) ”اس طریقے میں جذبہ طلب سلوک پر مقدم ہے لیکن اس میں سیر کی ابتدا عالمِ امر سے ہوتی ہے اور عالمِ خلاق کی سیر ضمناً عالمِ امر کی سیر کے دوران ہی طے ہو جاتی ہے۔ اس کے برخلاف دوسرے سلسلوں میں سیر کی ابتدا عالمِ خلق سے ہوتی ہے“

(۴) ”بعض سالک عالمِ امر میں مقام جذب پر فائز ہونے کی استعداد نہیں رکھتے۔ نقشبندی مشائخ اپنے تصرف سے سالک میں یہ استعداد اجاگر

کرویتے ہیں“ (۲۶۸)

(۵) ”نقشبندی مشائخ پیر خرقہ، پیر کلاہ و شجرہ نہیں ہوتے۔ وہ صحیح معنوں میں شریعت کے عالم و مبلغ ہوتے ہیں۔ اس لیے شریعت کے مرشد اور طریقت و سلوک رہنما ہوتے ہیں۔ لیکن دوسرے سلسلوں میں ایسا نہیں ہے۔ ان کے حلقے میں تعلیم و تسلیم پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا ہے“

(۶) یہ خلاف شرع احوال و مواجید کو تسلیم نہیں کرتے، صوفیائے خام کی

بے ہودہ باتوں کو قابل اعتنا نہیں سمجھتے۔ اسی طرح خلاف شرع ریاضتوں کو بھی مردود قرار دیتے ہیں اور انہیں استدراجات سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں دیتے۔ کیونکہ خلاف شرع صوفیوں کے احوال و مواجید اور ہندو چوکیوں، یونانی حکماء اور غیر مسلم صاحب ریاضت مہرے کرتوں کے درمیان کوئی فرق نہیں جس طرح جوگی اور دوسرے غیر مسلم ریاضت و مشقت سے اپنی قوت کا مظاہرہ کر سکتے ہیں، بالکل یہی حال سنت نبوی کو نظر انداز کرنے والے صوفیائے خام کا ہے۔ یہ سب نفس کے بندے ہیں۔ لیکن طریقہ عالیہ نقشبندیہ کے مشائخ سب سے زیادہ مخالفت نفس پر زور دیتے ہیں“ (۲۶۹)

(۸) ”طریقہ عالیہ نقشبندیہ تعدد و پیر کا قائل ہے لیکن دوسرے سلسلوں میں اس کی مخالفت ہے حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ سرہ نے علمائے بخارا کے فتوے پر ایک سے زیادہ شیخ سے بیعت حاصل کرنے کی اجازت دی ہے۔ اس کی اجازت ہے کہ کسی ایک سے خرقہ ارادت، دوسرے سے طریقت کی تعلیم و تربیت اور تیسرے کی خدمت میں حاضری دیکر بیعت و برکت حاصل کی جائے یا

(۸) سلسلہ عالیہ نقشبندیہ بلا جواز عزلت نشینی پر زور نہیں دیتا حضرت امام ربانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ عزلت سے مراد یہ ہے کہ عینوں کی رفاقت و صحبت سے پسینہ نہ لگتا جائے نہ کہ ہم خیال دوستوں سے حضرت مولانا روم فرماتے ہیں کہ۔ ع عزلت از اغیار باید نے زیار۔ حضرت خواجہ نقشبند فرماتے ہیں کہ۔

”صحبت با ہمرازاں سنت موکدہ ایں طریقہ علیہ است“ (۲۷۰)
یعنی۔ ہمراہوں کی رفاقت اختیار کرنا اس طریقہ عالیہ میں سنت موکدہ کے برابر ہے۔

اختتامیہ

آجکل دُورِ حاضر کے تناظر میں عالمِ اسلام نے اغیار کے نرغے میں پھنس کر زبوں حالی، بے بسی اور بے چارگی کی تصویر بنا اپنی بصیرت کے لئے سامانِ عبرت مہیا کر رہا ہے۔ صیہونیت ہو یا اشتراکیت، اہتتالیبت ہو یا استعماریت۔۔۔۔۔۔ ان سب کی نظریاتی یلغار نے اس کے میلی تشخص کو مسخ کر کے رکھ دیا ہے۔۔۔۔۔۔ احساس و شعور کی قوتیں اس حد تک مفلوج ہو کر رہ گئی ہیں کہ اُسے اپنی منزل کا سراغ ہی نہیں ملتا۔ وہ جادہٴ حق سے بھٹک کر ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مار رہا ہے، دُورِ بد رکھٹک رہا ہے مگر فلاح و نجات کی راہ سمجھائی نہیں دیتی۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اغیار کے اس نرغے، اس حصار سے نکلنے کے لئے امرت اثر تریاق کا ایک ایسا نسخہ تجویز کیا ہے جو ملی احساس و شعور کی قوتوں کو بحال کر کے، جلا و بالیدگی کی رُومرایت کر کے زندہ و پائندہ رہنے کی اُمنگ پیدا کرتا ہے اور فلاح و ہدایت کی راہ سمجھا کر اس پر جسے رہنے کی تبت و تاب بخشتا ہے۔۔۔۔۔۔ یہ نسخہ کمیاب ہے۔ اسوۂ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے بصارت و بصیرت اور تدبیر و فراست کی روشنی لے کر والہانہ انداز میں ضابطہٴ شریعت کی پابندی و پیروی۔۔۔۔۔۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے دو قومی نظریے کی توضیح کرتے ہوئے دو لٹک الفاظ میں یہ نکتہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ اغیار کا سہارا لینا، اُن پر تکیہ کرنا سراسر شرک ہے۔ اغیار تو باطل نظریوں کا

سبز باغ دکھا کر ملتِ مسلمہ کو جادۂ حق سے ہٹانے پر تیار ہوا ہے۔
 باطل دُورئی پسند ہے، حق لا شریک ہے۔ اس لئے اس
 دُورئی اور دوزنگی کو ٹھکراتے ہوئے جادۂ حق پر ہتھیال سے جھے رہنے سے
 ہی ملتِ مسلمہ اپنے منفرد تشخص کی شان و اعزاز برقرار رکھ سکتی ہے۔
 اسی لئے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بار بار تنبیہ کرتے ہیں کہ
 کسی بھی حالت میں اپنے معاملات میں اغیار کی شرکت قبول نہ کی جائے۔
 شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول۔ ان کی پیش کش
 خواہ کتنی ہی فراخ دلانہ اور جاذبِ نظر کیوں نہ ہو! ہرگز ہرگز
 قبول نہ کی جائے ع

یسی بھی ہم نشیں ہو تو محل نہ کر قبول!

یسکن اغیار کی روباہی چالوں کو سمجھنے اور ان کا توڑ کرنے کے لئے
 دینی ماحول کے ساتھ اسلامی معاشرے کو پھیلانا ضروری ہے۔ حضرت
 مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے لادینی نظریات و عقائد اور غیر اسلامی
 رسم و روایات سے پاک نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اساس پر
 اسلامی معاشرے کے قیام و فروغ کو اپنی تحریک تجدیدیت کا منشور و مین
 قرار دیا۔ مگر دلوں میں انقلاب برپا ہوئے بغیر اسلامی معاشرے کا
 قیام ممکن نہیں۔ اس لئے آپ نے عوام و خواص کے احساسات کو ابھارا،
 ان کے ضمیر کو جھنجھوڑا، ان کی غیرت و حیثیت کو دکھارا۔ تو
 پھر ان کے دلوں میں ایمان و ایقان کی روشنی پیدا ہوئی، عقائدِ صحیحہ سے
 سرشار ہو کر انھوں نے اپنا محاسبہ کیا، اپنے کردار کی اصلاح و تعمیر کا
 بیڑا اٹھایا اور شریعتِ اسلامیہ کو اپنی نجات کا وسیلہ سمجھ کر اپنا شعار بنا لیا۔
 یہ مانا کہ تنفیذی و تعزیری قوتیں نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے
 نفاذ میں ممد و مؤید بن کر ہمیں کام دیتی ہیں لیکن اسے جبر و اکراہ سے نہیں،

اخلاص و عقیدت سے نشاط و نمو حاصل ہوتی ہے۔ اس نظام کو اپنانے کا جذبہ دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ یہ دلوں کا سودا ہے، دلوں میں گھر کر جائے تو پھر ہی سودا سہا پارہتا ہے کہ اپنی انا کو، اپنی خودی کو، اپنی ہستی کو صرف اور صرف رضائے مصطفویٰ کی خاطر ترجیح کر اس کی بالادستی و حکمرانی کو ہر حال میں برقرار رکھنے کی کوشش کی جائے۔ اس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ اسلامی معاشرہ محض خارجی عوامل سے نہیں نافذ ہوتا۔ دلوں میں انقلاب برپا ہو جائے تو پھر اسلامی معاشرہ خود بخود قائم ہو جاتا ہے، فروغ پاتا ہے، پروان چڑھتا ہے۔

نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنفیذ و تعمیل کے لئے عقائد صحیحہ، اعمالِ صالحہ، ارکانِ اسلام اور احکامِ شرعیہ سے کما حقہ واقف ہونا لازمی ہے۔ پھر ان کی تعلیم، تبلیغ اور ترویج کے لئے ان پر عبور حاصل کرنا اور کبھی ضروری ہے۔ اس لئے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف دینی علوم سے واقفیت کو ضابطہ شریعت کا اہم رکن قرار دیا بلکہ ان کی تعلیم و تبلیغ کے لئے ہمہ گیر نظام بھی قائم کیا۔

دینی علوم کے حصول سے نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح، اس کی ماہیت و نوعیت، حکمت و مصلحت سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ اخلاص و عقیدت میں خشکی پیدا ہوتی اور استغراق و محویت سے شرعی احکام بجالانے کی سعادت بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ (مکتوب ۱۵۷ - دفتر اول)

اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ دینی علوم کے ماسوا دیکر علوم عقلیہ و عمرانیہ کی تحصیل و تعلیم جائز نہیں۔ ہاں! انہیں مقصود سمجھ کر حاصل نہیں کرنا چاہیے۔ ان کے حصول میں اس حد تک مستغرق و منہمک رہنا عدوان و عصیان میں شمار ہوگا کہ بندہ اپنے خالق کی عبادت سے غافل ہو جائے۔ مرد مومن تو وہی ہے جسے بیع و تجارت جیسے مشاغل بھی اللہ کے ذکر سے

غافل نہیں رکھ سکتے۔۔۔ (مکتوب ۳۳، ۳۴، ۳۵۔ دفتر اول)
حکیم الامت علامہ اقبالؒ بھی یہی فرماتے ہیں:
وہ علم نہیں زہر ہے احرار کے حق میں جس علم کا حاصل ہے جہاں میں دو کف جو



وہ علم کم بصری جس میں ہم کنار نہیں تجلیاتِ کلیم و مشاہداتِ کلیم
اسی اصول کی پابندی کرتے ہوئے مغرب کے جدید علوم سے استفادہ
بھی جائز ہے۔ لیکن یہی ستم قاتل کی تاثیر رکھتے ہیں اگر ان کی تحصیل سے ایمان
میں خلل واقع ہو اور گمراہی کا خدشہ لاحق ہو۔ اسی لئے ان کی مشروط تحصیل و تعلیم
کے علامہ اقبالؒ بھی قائل ہیں۔

کھلے ہیں سب کے لئے غریبوں کے منجھے علوم تازہ کی سرستیاں گناہ نہیں
اسی سرور میں پوشیدہ موت ہے تیری ترے بدن میں اگر سوزِ لالہ نہیں
اس طرح حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات میں ملتِ مسلمہ کو
درپیش تمام مسائل و مشکلات کا حل موجود ہے۔ آپ کی تعلیمات کی روشنی میں
ارکانِ اربعہ پر مشتمل ضابطہ و شریعت کی پابندی سے نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ
علیہ وسلم کے نفاذ اور اسلامی معاشرے کے فروغ کے عمل کو پایہ تکمیل تک
پہنچانے میں موثر رہنمائی حاصل ہوتی ہے؛



ماخذ و مراجع

- (۱) تنزک جهانگیری بحوالہ کنگرہ (۲) مکتوب ۵- دفتر سوم (۳) مکتوب ۸۵- دفتر اول
(۴) مکتوب ۱۵- دفتر دوم (۵) مکتوب ۳۳- دفتر اول (۶) مکتوب ۴۷- دفتر اول
(۷) مکتوب ۴۱- دفتر سوم (۸) مکتوب ۷۶- دفتر اول (۹) حیات مجددہ ۲۵۹ تا ۲۶۲
(۱۰) مکتوب اول- دفتر سوم (۱۱) حیات مجددہ- ۲۶۲ (۱۲) انوار مجددہ دیکھو یوسف سلیم چشتی نیم
(۱۳) حیات مجددہ- ۲۶۲ (۱۴) مکتوب ۵۹- دفتر اول (۱۵) مکتوب ۳۷- دفتر اول
(۱۶) مکتوب ۴۷- دفتر اول (۱۷) مکتوب ۱۹۳- دفتر اول (۱۸) مکتوب ۱۹۳- دفتر اول
(۱۹) مکتوب ۱۹۳- دفتر اول (۲۰) مکتوب ۱۹۳- دفتر اول (۲۱) مکتوب ۱۹۳- دفتر اول
(۲۲) مکتوب ۲۷- دفتر اول (۲۳) مکتوب ۱۹۳- دفتر اول (۲۴) مکتوب ۴۷- دفتر اول
(۲۵) مکتوب ۷۲- دفتر اول (۲۶) مکتوب ۶۵- دفتر اول (۲۷) مکتوب ۵۷- دفتر دوم
(۲۸) مکتوب ۵۳- دفتر اول (۲۹) مکتوب ۳۳- دفتر اول (۳۰) مکتوب ۷۲- دفتر اول
(۳۱) مکتوب ۷۳- دفتر اول (۳۲) مکتوب ۹۸- دفتر اول (۳۳) مکتوب ۹۸- دفتر اول
(۳۴) مکتوب ۱۱۲- دفتر اول (۳۵) مکتوب ۴۴- دفتر اول (۳۶) مکتوب ۶۵- دفتر اول
(۳۷) مکتوب ۸۵- دفتر اول (۳۸) مکتوب ۶۵- دفتر اول (۳۹) مکتوب ۴۴- دفتر اول
(۴۰) مکتوب ۴۴- دفتر اول (۴۱) مکتوب ۴۴- دفتر اول (۴۲) مکتوب ۲۶۵- دفتر اول
(۴۳) مکتوب ۸۵- دفتر اول (۴۴) مکتوب ۸۵- دفتر اول (۴۵) مکتوب ۸۵- دفتر اول
(۴۶) مکتوب ۱۹۳- دفتر اول (۴۷) مکتوب ۲۷- دفتر اول (۴۸) مکتوب ۴۳- دفتر اول
(۴۹) مکتوب ۴۱- دفتر اول (۵۰) مکتوب ۴۶- دفتر اول (۵۱) مکتوب ۲۳۱- دفتر اول
(۵۲) مکتوب ۵۲- دفتر اول (۵۳) مکتوب ۵۲- دفتر اول (۵۴) مکتوب ۴۶- دفتر اول
(۵۵) مکتوب ۱۱۲- دفتر اول (۵۶) مکتوب ۱۱۲- دفتر اول (۵۷) مکتوب ۱۸۶- دفتر اول
(۵۸) مکتوب ۱۸۶- دفتر اول (۵۹) مکتوب ۲۳۳- دفتر اول (۶۰) مکتوب ۱۸۶- دفتر اول
(۶۱) مکتوب ۲۳۳- دفتر اول (۶۲) مکتوب ۴۷- دفتر اول (۶۳) مکتوب ۱۸۶- دفتر اول

- (۶۳) مکتوب ۴۷ - دفتر اول
(۶۴) مکتوب ۱۵ - دفتر اول
(۶۵) مکتوب ۱۹ - دفتر اول (۶۶) مکتوب ۵۴ - دفتر اول
(۶۸) مکتوب ۳۶ - دفتر دوم (۶۹) مکتوب ۴۱ - دفتر سوم
(۷۰) مکتوب ۳۶ - دفتر اول (۷۱) مکتوب ۱۵ - دفتر اول (۷۲) مکتوب ۱۵ - دفتر اول
(۷۳) مکتوب ۲۶ - دفتر اول (۷۴) مکتوب ۴۷ - دفتر اول (۷۵) مکتوب ۶۷ - دفتر دوم
(۷۶) مکتوب ۳۷ - دفتر اول (۷۷) مکتوب ۸۱ - دفتر اول (۷۸) مکتوب ۱۹۳ - دفتر اول
(۷۹) مکتوب ۱۹۵ - دفتر اول (۸۰) مکتوب ۶۷ - دفتر دوم (۸۱) مکتوب ۶۵ - دفتر اول
(۸۲) مکتوب ۸۰ - دفتر اول (۸۳) مکتوب ۸۰ - دفتر اول (۸۴) مکتوب ۳۶ - دفتر دوم
(۸۵) مکتوب ۳۶ - دفتر دوم (۸۶) مکتوب ۳۶ - دفتر دوم (۸۷) مکتوب ۵۹ - دفتر اول
(۸۸) مکتوب ۳۸ - دفتر سوم (۸۹) مکتوب ۵۹ - دفتر اول (۹۰) مکتوب ۴۴ - دفتر اول
(۹۱) مکتوب ۴۱ - دفتر اول (۹۲) مکتوب ۷۹ - دفتر اول (۹۳) مکتوب ۲۸ - دفتر اول
(۹۴) مکتوب ۸۸ - دفتر سوم (۹۵) مکتوب ۱۲۲ - دفتر سوم (۹۶) مکتوب ۱۲۲ - دفتر سوم
(۹۷) مکتوب ۱۲۲ - دفتر سوم (۹۸) مکتوب ۴۴ - دفتر اول (۹۹) مکتوب ۹۶ - دفتر دوم
(۱۰۰) مکتوب ۹۹ - دفتر دوم (۱۰۱) مکتوب ۲۵ - دفتر اول (۱۰۲) مکتوب ۲۰ - دفتر اول
(۱۰۳) مکتوب ۲۰ - دفتر اول (۱۰۴) مکتوب ۱۲ - دفتر اول (۱۰۵) مکتوب ۱۲ - دفتر اول
(۱۰۶) مکتوب ۲۱۰ - دفتر اول (۱۰۷) مکتوب ۹۶ - دفتر دوم (۱۰۸) مکتوب ۹۶ - دفتر دوم
(۱۰۹) مکتوب ۵۹ - دفتر اول (۱۱۰) مکتوب ۳۴ - دفتر اول (۱۱۱) مکتوب ۱ - دفتر سوم
(۱۱۲) مکتوب ۲۵ - دفتر اول (۱۱۳) مکتوب ۲۵ - دفتر اول (۱۱۴) مکتوب ۲۵۱ - دفتر اول
(۱۱۵) مکتوب ۲۶۶ - دفتر اول (۱۱۶) مکتوب ۵۹ - دفتر اول (۱۱۷) مکتوب ۲۶۶ - دفتر اول
(۱۱۸) مکتوب ۲۵۱ - دفتر اول (۱۱۹) مکتوب ۲۵۱ - دفتر اول (۱۲۰) مکتوب ۲۵۶ - دفتر اول
(۱۲۱) مکتوب ۲۰۲ - دفتر اول (۱۲۲) مکتوب ۱۷۷ - دفتر سوم (۱۲۳) مکتوب ۹۹ - دفتر دوم
(۱۲۴) مکتوب ۴۱ - دفتر اول (۱۲۵) مکتوب ۱۲۴ - دفتر سوم (۱۲۶) مکتوب ۹۶ - دفتر دوم
(۱۲۷) مکتوب ۵۱ - دفتر دوم (۱۲۸) مکتوب ۲۵۱ - دفتر اول (۱۲۹) مکتوب ۲۶۶ - دفتر اول
(۱۳۰) مکتوب ۲۶۶ - دفتر اول (۱۳۱) مکتوب ۱۵۷ - دفتر اول (۱۳۲) مکتوب ۱۹۳ - دفتر اول

(۱۳۳) مکتوب ۲۸۶ - دفتر اول	(۱۳۴) مکتوب ۲۸۶ - دفتر اول	(۱۳۵) مکتوب ۱۹۳ - دفتر اول
(۱۳۶) مکتوب ۱۹۳ - دفتر اول	(۱۳۷) مکتوب ۲۶۶ - دفتر اول	(۱۳۸) مکتوب ۲۶۶ - دفتر اول
(۱۳۹) مکتوب ۲۶۶ - دفتر اول	(۱۴۰) مکتوب ۲۶۶ - دفتر اول	(۱۴۱) مکتوب ۲۶۶ - دفتر اول
(۱۴۲) مکتوب ۲۶۶ - دفتر اول	(۱۴۳) مکتوب ۱۶۳ - دفتر اول	(۱۴۴) مکتوب ۱۶۳ - دفتر اول
(۱۴۵) مکتوب ۱۶۳ - دفتر اول	(۱۴۶) مکتوب ۱۶۳ - دفتر اول	(۱۴۷) مکتوب ۱۶۳ - دفتر اول
(۱۴۸) مکتوب ۱۶۳ - دفتر اول	(۱۴۹) مکتوب ۱۳۹ - دفتر اول	(۱۵۰) مکتوب ۲۹ - دفتر اول
(۱۵۱) مکتوب ۱۹۳ - دفتر اول	(۱۵۲) مکتوب ۱۹۳ - دفتر اول	(۱۵۳) مکتوب ۷۳ - دفتر اول
(۱۵۴) مکتوب ۱۶۳ - دفتر اول	(۱۵۵) مکتوب ۲۸۶ - دفتر اول	(۱۵۶) مکتوب ۲۶۶ - دفتر اول
(۱۵۷) مکتوب ۵۵ - دفتر دوم	(۱۵۸) مکتوب ۵۵ - دفتر دوم	(۱۵۹) مکتوب ۵۹ - دفتر اول
(۱۶۰) مکتوب ۵۹ - دفتر اول	(۱۶۱) مکتوب ۳۸ - دفتر اول	(۱۶۲) مکتوب ۷۳ - دفتر اول
(۱۶۳) مکتوب ۳۳ - دفتر اول	(۱۶۴) مکتوب ۵۲ - دفتر اول	(۱۶۵) مکتوب ۱۶۵ - دفتر اول
(۱۶۶) مکتوب ۷۳ - دفتر اول	(۱۶۷) مکتوب ۷۶ - دفتر اول	(۱۶۸) مکتوب ۲۸۶ - دفتر اول
(۱۶۹) مکتوب ۷۶ - دفتر اول	(۱۷۰) مکتوب ۱۰۲ - دفتر اول	(۱۷۱) مکتوب ۷۳ - دفتر اول
(۱۷۲) مکتوب ۷۳ - دفتر اول	(۱۷۳) مکتوب ۴۶ - دفتر اول	(۱۷۴) مکتوب ۲۶۵ - دفتر اول
(۱۷۵) مکتوب ۳۴ - دفتر اول	(۱۷۶) مکتوب ۷۳ - دفتر اول	(۱۷۷) مکتوب ۷۳ - دفتر اول
(۱۷۸) مکتوب ۹ - دفتر دوم	(۱۷۹) مکتوب ۳۷ - دفتر دوم	(۱۸۰) مکتوب ۴۶ - دفتر دوم
(۱۸۱) مکتوب ۳۵ - دفتر اول	(۱۸۲) مکتوب ۲۶۲ - دفتر اول	(۱۸۳) مکتوب ۲۷ - دفتر سوم
(۱۸۴) مکتوب ۵۱ - دفتر اول	(۱۸۵) مکتوب ۱۰۵ - دفتر اول	(۱۸۶) مکتوب ۱۰۵ - دفتر اول
(۱۸۷) مکتوب ۲۱۹ - دفتر اول	(۱۸۸) مکتوب ۱۰۵ - دفتر اول	(۱۸۹) مکتوب ۴۶ - دفتر اول
(۱۹۰) مکتوب ۴۶ - دفتر اول	(۱۹۱) مکتوب ۲۷ - دفتر سوم	(۱۹۲) مکتوب ۴۱ - دفتر اول
(۱۹۳) مکتوب ۵۲ - دفتر دوم	(۱۹۴) مکتوب ۱۶۱ - دفتر اول	(۱۹۵) مکتوب ۵۲ - دفتر اول
(۱۹۶) مکتوب ۷۳ - دفتر اول	(۱۹۷) مکتوب ۹۹ - دفتر دوم	(۱۹۸) مکتوب ۲۴ - دفتر اول
(۱۹۹) مکتوب ۳۵ - دفتر اول	(۲۰۰) مکتوب ۲۴ - دفتر اول	(۲۰۱) مکتوب ۵۹ - دفتر اول

- (۲۰۲) مکتوب ۵۹ دفتر اول (۲۰۳) مکتوب ۳۵ دفتر اول (۲۰۴) مکتوب ۲۲ دفتر اول
(۲۰۵) مکتوب ۲۰۶ دفتر اول (۲۰۶) مکتوب ۳۰۹ دفتر اول (۲۰۷) مکتوب ۱۵۲ دفتر اول
(۲۰۸) مکتوب ۱۵۲ دفتر اول (۲۰۹) مکتوب ۱۵۳ دفتر اول (۲۱۰) مکتوب ۱۵۲ دفتر اول
(۲۱۱) مکتوب ۲۲۱ دفتر اول (۲۱۲) مکتوب ۲۱۰ دفتر اول (۲۱۳) مکتوب ۳۵ دفتر اول
(۲۱۴) مکتوب ۳۶ دفتر اول (۲۱۵) مکتوب ۵۹ دفتر اول (۲۱۶) مکتوب ۳۶ دفتر اول
(۲۱۷) مکتوب ۹۲ دفتر اول (۲۱۸) مکتوب ۲۰۷ دفتر اول (۲۱۹) مکتوب ۲۱۰ دفتر اول
(۲۲۰) مکتوب ۲۱۰ دفتر اول (۲۲۱) مکتوب ۳۶ دفتر اول (۲۲۲) مکتوب ۲۰۷ دفتر اول
(۲۲۳) مکتوب ۳۶ دفتر اول (۲۲۴) مکتوب ۴۰ دفتر اول (۲۲۵) مکتوب ۳۰ دفتر اول
(۲۲۶) مکتوب ۲۱۳ دفتر اول (۲۲۷) مکتوب ۵۷ دفتر اول (۲۲۸) مکتوب ۲۶۶ دفتر اول
(۲۲۹) مکتوب ۵۰ دفتر دوم (۲۳۰) مکتوب ۵۰ دفتر دوم (۲۳۱) مکتوب ۵۵ دفتر دوم
(۲۳۲) مکتوب ۴۱ دفتر اول (۲۳۳) مکتوب ۴۱ دفتر اول (۲۳۴) مکتوب ۲۸۶ دفتر اول
(۲۳۵) مکتوب ۱۵۲ دفتر اول (۲۳۶) مکتوب ۹۵ دفتر دوم (۲۳۷) مکتوب ۲۲۱ دفتر اول
(۲۳۸) مکتوب ۲۸۶ دفتر اول (۲۳۹) مکتوب ۹۲ دفتر دوم (۲۴۰) مکتوب ۵۷ دفتر دوم
(۲۴۱) مکتوب ۱۷۱ دفتر اول (۲۴۲) مکتوب ۹۲ دفتر دوم (۲۴۳) مکتوب ۱۰۷ دفتر اول
(۲۴۴) مکتوب ۱۶۰ دفتر اول (۲۴۵) مکتوب ۱۰۷ دفتر اول (۲۴۶) مکتوب ۱۰۷ دفتر اول
(۲۴۷) مکتوب ۲۳ دفتر اول (۲۴۸) مکتوب ۱۰۷ دفتر اول (۲۴۹) مکتوب ۶۱ دفتر اول
(۲۵۰) مکتوب ۲۳ دفتر اول (۲۵۱) مکتوب ۶۱ دفتر اول (۲۵۲) مکتوب ۶۱ دفتر اول
(۲۵۳) مکتوب ۶۱ دفتر اول (۲۵۴) مکتوب ۱۵۹ دفتر اول (۲۵۵) مکتوب ۲۷۸ دفتر اول
(۲۵۶) مکتوب ۱۵۶ دفتر اول (۲۵۷) مکتوب ۱۵۷ دفتر اول (۲۵۸) مکتوب ۷۲ دفتر اول
(۲۵۹) مکتوب ۲۹۲ دفتر اول (۲۶۰) مکتوب ۲۹۲ دفتر اول (۲۶۱) مکتوب ۳۷ دفتر اول
(۲۶۲) مکتوب ۳۷ دفتر اول (۲۶۳) مکتوب ۳۶۶ دفتر اول (۲۶۴) مکتوب ۲۷۸ دفتر اول
(۲۶۵) مکتوب ۱۴۵ دفتر اول (۲۶۶) مکتوب ۵۸ دفتر اول (۲۶۷) مکتوب ۲۲۱ دفتر اول
(۲۶۸) مکتوب ۱۴۵ دفتر اول (۲۶۹) مکتوب ۲۸۶ دفتر اول (۲۷۰) مکتوب ۲۶۵ دفتر اول

